حُروفِ مُقطّعات
کا
قرآنی فلسفہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

www.MinhajBooks.com

حُروفِ مُقطّعات
کا
قرآنی فلسفہ

www.MinhajBooks.com

حُروفِ مُقطَّعات

کا

قرآنی فلسفہ

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

تصنیف: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تخریج : اَجمل علی مجددی

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ - Research.com.pk

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعت نمبر 1 : دسمبر 2016ء [1,100 - پاکستان]

اِشاعت نمبر 2 : جنوری 2017ء [1,000 - اِنڈیا]

قیمت :

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی CDs/DVDs وغیرہ سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔
fmri@research.com.pk

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا

عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ

وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

فہرس

پیش لفظ ۱۱

بابِ اَوّل

حروفِ مقطّعات کی تعبیر و تأویل ۱۵

۱۔ ایک اہم نکتہءِ حکمت ۱۸

۲۔ حروفِ مقطّعات اور اَسالیبِ کلام ۲۰

۳۔ حروفِ مقطّعات کی تعبیر و تاویل ۲۱

پہلا مذہب ۲۲

دوسرا مذہب ۲۳

باطنی علم ۳۷

۴۔ حروفِ مقطّعات کی تعبیر میں مختلف اَقوال ۴۵

(۱) پہلا قول ۴۵

(۲) دوسرا قول ۴۸

(۳) تیسرا قول ۴۹

(۴) چوتھا قول ۵۰

(۵) پانچواں قول ۵۰

(۶) چھٹا قول ۵۰
(۷) ساتواں قول ۵۱
(۸) آٹھواں قول ۵۱
(۹) نواں قول ۵۴
(۱۰) دسواں قول ۵۵
(۱۱) گیارہواں قول ۵۵
(۱۲) بارہواں قول ۵۹

باب دوم

الٓمّٓ کی تفسیر وتعبیر ۶۵

۱۔ پہلا قول ۶۷
۲۔ دوسرا قول ۶۷
۳۔ تیسرا قول ۶۸
۴۔ چوتھا قول ۶۹
۵۔ پانچواں قول ۶۹
۶۔ چھٹا قول ۷۰
۷۔ ساتواں قول ۷۰
۸۔ آٹھواں قول ۷۲

۹۔ نواں قول	۷۳
۱۰۔ دسواں قول	۷۴
۱۱۔ گیارہواں قول	۷۵
۱۲۔ بارہواں قول	۷۶
۱۳۔ تیرہواں قول	۷۷
۱۴۔ چودھواں قول	۷۸
۱۵۔ پندرہواں قول	۷۹
۱۶۔ سولہواں قول	۷۹
۱۷۔ سترہواں قول	۸۰
۱۸۔ اَٹھارواں قول	۸۱
۱۹۔ اُنیسواں قول	۸۲
۲۰۔ بیسواں قول	۸۳
(۱) حرفِ لام کی حقیقت	۸۴
(۲) حرفِ میم کی حقیقت	۸۵
۲۱۔ اکیسواں قول	۸۶
۲۲۔ بائیسواں قول	۹۱
۲۳۔ تئیسواں قول	۹۳
۲۴۔ چوبیسواں قول	۹۶

۲۵۔ پچیسواں قول	۹۷
۲۶۔ چھبیسواں قول	۹۸
۲۷۔ ستائیسواں قول	۹۹
۲۸۔ اَٹھائیسواں قول	۱۰۰
۲۹۔ اُنتیسواں قول	۱۰۱
۳۰۔ تیسواں قول	۱۰۲
۳۱۔ اِکتیسواں قول	۱۰۴
مصادر و مراجع	۱۰۷

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

قرآن مجید اپنی شانِ اِعجاز میں اَبدی اور دائمی اَہمیت کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِسے متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت بنا کر نازل فرمایا اور اَہلِ ایمان کو اِس کی آیات میں تفکر و تدبر کا حکم فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس حکم کی تکمیل کے لیے اِسے بہترین اُسلوب میں نازل فرمایا ہے کہ قاری اِس کے حُسنِ بیان، نظمِ کلام، صوتی ترنّم و تغنّم، اِیمائیت و اِشاریت اور فصیح و بلیغ معانی و مفاہیم میں کھو جاتا ہے۔ یہ قرآن مجید کا حسین اِعجاز ہے کہ اِس کی تاثیر پتھر دلوں کو بھی موم بنا دیتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے قرآن مجید کے آفاقی اَوصاف پر دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ہزاروں کتب تحریر کی جا چکی ہیں، لیکن کوئی بھی مصنف قرآن مجید کے محاسن و کمالات کو کما حقہٗ بیان نہیں کر سکا اور نہ ہی کوئی محقّق رہتی دنیا تک اُم الکتاب کے اَوصاف کا اِحاطہ کر سکے گا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العزت کی صفات کی کوئی حد نہیں ہے، اُسی طرح کلامِ ربانی کے تمام اَوصاف کو حیطۂ تحریر میں لانا بھی کسی قلم و قرطاس کے بس میں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں اِعجاز و بلاغت کا ایک منفرد پہلو حروفِ مقطعات ہیں۔ ان حروف کی مجموعی تعداد چودہ (۱۴) ہے اور یہ اُنتیس (۲۹) مختلف سورتوں کے آغاز میں وارِد ہوئے ہیں۔ بعض حروف بول کر مختلف معانی مراد لینا تمام زبانوں میں مروّج ہے۔ اَہلِ عرب کے قدیم شعری اور نثری فن پاروں کے مطالعے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں بھی یہ ادبی اسلوب رائج تھا اور مختلف حروف کے ذریعے خاص الفاظ اور معانی و مطالب اَخذ کیے جاتے تھے۔ چنانچہ دورِ رسالت میں عربوں کی اِس انداز سے شناسائی کی بنا پر قرآن مجید نے حروفِ مقطّعات کا اُسلوب بھی اپنایا۔ اِن حروفِ مقطعات کا مقصد جہاں اُس وقت رائج طریقۂ اِبلاغ کو اپنانا تھا، وہیں منکرین کو کلامِ اِلٰہی کے ایک منفرد اِعجازی اُسلوب کا قائل بنانا بھی تھا۔

حروفِ مقطعات کے معانی و مفاہیم کے بارے میں مذہبِ مختار یہی ہے کہ یہ اللہ رب العزت اور اُس کے حبیب مکرّم ﷺ کے درمیان سربستہ راز ہیں اور ان کے معانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اِسی نکتے کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے ان کے بعض معانی و مفاہیم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و اَتباعِ تابعین اور علماء و صالحینِ اُمت کو آگاہ بھی فرمایا ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں حروفِ مقطعات کے وہ معانی و مفاہیم بیان کیے گئے ہیں جو اَکابرِ اُمت کو علمِ نبوت سے بطور خیرات نصیب ہوئے اور انہوں نے اُمتِ مسلمہ کی آگہی و رہنمائی کے لیے ہم تک پہنچائے۔

عام طور پر حروفِ مقطعات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، مگر اَئمہ کرام اور جید علماء عظام کی کتب میں اِس موضوع پر ایک وسیع اور وقیع ذخیرہ موجود ہے، جس سے صرفِ نظر کرنا کسی طرح بھی اَہلِ دانش کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اِس تصنیف کا مقصد بھی حروفِ مقطعات کے معانی و مفاہیم کی عوام الناس تک رسائی ہے۔ یہاں یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ کتاب کے پہلے باب میں حروفِ مقطعات کی تعبیر و تشریح پر گفتگو کی گئی ہے، جب کہ دوسرے باب میں بطور مثال فقط الٓمّٓ کے معنی و مراد اور تعبیر و تاویل پر تفصیلی بحث شامل کی گئی ہے۔ بقیہ سورتوں میں وارِد ہونے والے حروفِ مقطعات کی تعبیر و تاویل مناسب مواقع پر درج کی جائے گی۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں قرآن مجید کے حقیقی معانی و معارِف اور تعلیمات و اَحکامات سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

خادمِ علومِ قرآن

(محمد طاہر القادری)

یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ

بسم الله الرحمن الرحيم

الٓمٓ الٓمٓصٓ الٓر الٓمٓر

ا ل م　ا ل م ص　ا ل ر　ا ل م ر

كٓهٰيٰعٓصٓ طٰهٰ طٰسٓمٓ

ك ہ ی ع ص　ط ہ　ط س م

طٰسٓ يٰسٓ صٓ حٰمٓ

ط س　ی س　ص　ح م

حٰمٓ عٓسٓقٓ قٓ نٓ

ح م ع س ق　ق　ن

www.MinhajBooks.com

باب اوّل

حروفِ مقطّعات کی تعبیر و تاوِیل

www.MinhajBooks.com

یہ حروف اِصطلاحاً ’مقطّعات‘ کہلاتے ہیں اور قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کی اِبتداء میں آئے ہیں۔ چوں کہ انہیں الگ الگ پڑھا جاتا ہے، یہ پڑھنے اور لکھنے میں ایک لفظ کی طرح باہم ضم نہیں ہوتے بلکہ ہر حرف کی اپنی شناخت علیحدہ طور پر قائم رہتی ہے اس لیے انہیں ’مقطّعات‘ کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ، فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا. لَا أَقُوْلُ الٓمٓ حَرْفٌ، وَلٰكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَامٌ حَرْفٌ، وَمِيْمٌ حَرْفٌ. (۱)

جس نے کتاب اللہ کے ایک حرف کی بھی تلاوت کی اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے؛ بلکہ الٓف ایک حرف ہے، لآم ایک حرف ہے اور مٓیم ایک حرف ہے۔ (گویا صرف الٓمٓ پڑھنے کا ثواب تیس نیکیوں کے برابر ہے۔)

یہی قول ابن ابی داوٗد نے ’المصاحف‘ میں، ابو جعفر النحاس نے ’الوقف

---

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فيمن قرأ حرفا من القرآن ما له من الأجر، ۶: ۱۷۵، رقم: ۲۹۱۰

۲۔ دارمي، السنن، كتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن، ۲: ۵۲۱، رقم: ۳۳۰۸

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۱۱۸، رقم: ۲۹۹۳۳

۴۔ بزار عن عوف بن مالك رضی اللہ عنہ، المسند، ۷: ۱۹۲، رقم: ۲۷۶۱

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۹: ۱۳۰، رقم: ۸۶۴۶

www.MinhajBooks.com

والإبتداء‘ میں، خطیب بغدادی نے ’التاریخ‘ میں اور ابونصر السجزی نے ’الإبانة‘ میں، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت کیا ہے کہ **الألف عشرٌ واللام عشرٌ والمیم عشرٌ، فتلک ثلاثون** (الٓف کے دس اجر ہیں، اور لاؔم کے دس اجر ہیں اور مٓیم کے بھی دس اجر ہیں، پس صرف الٓمٓ کے پڑھنے کا اجر تیس نیکیوں کے برابر ہے۔)(۱)

حروف مقطّعات کی کل تعداد چودہ ہے اور وہ درج ذیل حروفِ تہجی (alphabets) پر مشتمل ہیں:

أ ل م ص ر ک ہ ی ع ط س ح ق ن

ان کی پانچ اقسام ہیں:

۱۔ ان میں سے بعض اُحادی (ایک ہی حرف پر مشتمل) ہیں، یہ تین ہیں: **ص، ق، ن**

۲۔ بعض ثنائی (دو حروف پر مشتمل) ہیں، یہ چار ہیں: **طٰہٰ، طس، یس، حم**

۳۔ بعض ثلاثی (تین حروف پر مشتمل) ہیں، یہ تین ہیں: **الٓمٓ، الر، طسم**

۴۔ بعض رباعی (چار حروف پر مشتمل) ہیں، یہ دو ہیں: **المص، المر**

۵۔ بعض خماسی (پانچ حروف پر مشتمل) ہیں، یہ بھی دو ہیں: **کھیعص** اور **حمعسق**

۱۔ ایک اہم نکتہءِ حکمت

حروف مقطّعات کی اصل تعداد چودہ ہے۔ گو یہ قرآن مجید کی ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں مگر بہ حذفِ تکرار مرکب شکل میں چودہ ہی مرتبہ آئے ہیں۔ بقیہ ۱۵ سورتوں میں انہی میں سے بعض کا تکرار (repitition) ہوا ہے۔ جیسے الٓمٓ سورۂ البقرہ کے علاوہ آل عمران،

(۱) ۱۔ دیلمي، الفردوس بمأثور الخطاب، ۱: ۹۵، ۹۶، رقم: ۳۱۰
۲۔ خطیب بغدادي، تاریخ بغداد، ۱: ۲۸۶
۳۔ السیوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۵

العنکبوت، الروم، لقمان اور السجدہ میں آیا ہے۔ گویا حروفِ مقطّعات کا یہ مرکب (compound یا combination) چھ سورتوں کے شروع میں آیا ہے۔ اسی طرح الٓمٓرٰ پانچ جگہ پر، حٰمٓ چھ جگہ پر اور طٰسٓمٓ دو جگہ پر آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چودہ حروف کے کل چودہ ہی سیٹ (combinations) قرآن مجید میں وارد کیے گئے ہیں۔ بعض مفرد (singular) شکل میں اور بعض مرکب (compound) شکل میں، یہ حسنِ اتفاق ہے یا حسنِ اہتمام، اس کی حقیقت تو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کو ہی معلوم ہے مگر حق یہ ہے کہ قرآن مجید کی کوئی بھی شے اتفاقی نہیں، اِنطباقی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا راز اور حکمت عوام کو معلوم نہ ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے حروفِ مقطّعات کے حقیقی معانی و مطالب اخفاء میں رکھے گئے ہیں۔ اِسی طرح ان کے عدد اور ان کے وارد ہونے کی تعداد کا راز بھی اخفاء میں ہی رکھا گیا ہے۔

یہ نکتہ بھی عجیب ہے کہ حروف تہجی کی کل تعداد بھی ۲۹ ہے اور جن سورتوں کی ابتداء میں حروف مقطّعات آئے ہیں ان کی تعداد بھی ۲۹ ہی ہے۔ پھر ۲۹ حروفِ تہجی میں سے مقطّعات کے طور پر صرف ۱۴ کو منتخب کیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں بھی ۲۹ سورتوں کی ابتداء میں جہاں یہ حروف آئے ہیں ان میں بھی حروفِ مقطّعات کے اصل سیٹ ۱۴ ہی ہیں جنہیں منتخب کیا گیا ہے، بقیہ مقامات پر انہی کا تکرار آیا ہے۔ میں نے متقدمین سے متاخرین تک تمام ائمۂِ تفسیر اور علماء و محققین کی کتب کو ممکنہ حد تک دیکھا ہے مگر یہ نکتہ کسی نے نہیں اٹھایا کہ ۲۹ اور ۱۴ کے اعداد کے درمیان کیا ربط اور حکمت ہے۔ سو اس کی حکمت اور معرفت پر بھی کوئی گفت گو نہیں مل سکی۔ غور و خوض کے بعد میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ تاریخِ عرب اور اسلام کے نظام الحساب میں ماہ و سال کا شمار قمری مہینہ (lunar month) سے کیا جاتا تھا اور اب بھی اسی طرح ہے۔ اس نظام میں چاند اپنے مدار کا سفر ۲۹ دنوں میں مکمل کر لیتا ہے۔ اگلا دن صرف اس کی رؤیت میں لگتا ہے اس لئے اصلاً قمری مہینہ بھی ۲۹ دنوں پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ مدت کے شمار میں قمری مہینہ ہی ایک بنیادی اکائی (basic unit) ہے جس میں چاند اپنے تمام مراحلِ سفر طے کر کے منزل پر پہنچ جاتا ہے اور اس کی حرکت کا دائرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ۲۹

کا عدد تکمیلی اکائی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان دنوں میں چاند کا ظہور جب انتہائے کمال کو پہنچتا ہے تو وہ بھی چودھویں رات ہوتی ہے۔ ٹھیک ۱۴ دنوں میں چاند ہلال سے بدرِ تمام میں بدل جاتا ہے۔ گویا قمری نظام الحساب میں ۱۴ کا عدد ماہِ کامل (full moon) یعنی اس کے ظہورِ تام کی نشان دہی کرتا ہے۔ سوممکن ہے یہاں بھی کلامِ الٰہی میں کسی خاص جہت سے کسی عظیم کمال اور اس کے ظہورِ تمام کی طرف اشارہ ہو۔ اس کی تائید کے لیے ذہن اس طرف بھی جا رہا ہے کہ پورا قرآن تعلیماتِ الٰہیہ کا ابلاغ ہے جس کی بنیاد آیاتِ محکمات ہیں، ان کا علم عوام کے لیے منکشف کر دیا گیا ہے۔ پھر ان تعلیمات کا کمال اَسرارِ الٰہیہ میں ہے جو آیاتِ متشابہات میں مضمر ہیں، ان کا علم صرف خواص پر منکشف کیا گیا ہے۔ اور پھر ان اسرار کا کمال ان حقائق و اشارات میں ہے جو 'حروفِ مقطعات' میں مخفی ہیں اور ان کا علم فقط اللہ ﷻ اور اس کے محبوب ﷺ کے درمیان راز ہے، وہ اس میں سے جس وفادار کو جتنا عطا فرمانا چاہیں نواز دیتے ہیں۔ یہ کلامِ الٰہی کی 'عروجی جہت' معلوم ہوتی ہے جس کی سمتِ عروج اور ترتیب یوں ہے کہ محکمات کا کمال متشابہات ہیں اور متشابہات کا کمال مقطّعات ہیں اور مقطّعات کی تعداد ۱۴ ہے جو کمالِ عروج اور ظہورِ تمام کا استعارہ ہے۔

ہم نے اس موضوع پر سوچ کی ایک نئی جہت بیان کر دی ہے، صاف ظاہر ہے اس کی کئی اور حکمتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ (واللہ أعلم بالصواب)

آنے والے زمانوں میں کئی نئے حقائق کا انکشاف ہوگا اور غور و فکر کی بہت سی نئی راہیں کھلیں گی۔

۲۔ حروفِ مقطّعات اور اَسالیبِ کلام

بعض حروف بول کر الفاظ مراد لینا دنیا کی تمام زبانوں میں مروّج ہے۔ انگریزی زبان میں یہ تصور خاصا رواج پا چکا ہے، انہیں انگریزی ادب میں abbreviations (مخففات) کہتے ہیں۔ یہی مخففات مختلف علوم اور فنون میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ علم ریاضی میں mathematical symbols، علم کیمیا میں formula، علم موسیقی میں musical

signs اور قدیم و جدید زبانوں میں alphabets وغیرہ کا تصور خاصا معروف ہے۔ بہت سا علمی سرمایہ ان حروف اور علامات و اشارات کی صورت میں موجود ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کے قدیم شعری اور نثری نمونوں سے یہ تاریخی حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ عہدِ رسالت میں بھی یہ ادبی اسلوب موجود تھا اور مختلف حروف کے ذریعے خاص الفاظ اور معانی و مطالب بیان کیے جاتے تھے۔ چنانچہ دورِ جاہلیت میں عربوں کے اس اسلوب سے شناسا اور مانوس ہونے کی بناء پر ہی قرآن مجید نے حروفِ مقطّعات کے انداز کو اپنایا اور یہ انداز علمی و ادبی لحاظ سے اس دور کے مخالفین و منکرین کا ہدفِ تنقید نہ بن سکا۔ پھر خاص بات یہ ہے کہ کلامِ عرب میں متداول اسالیب بھی اُحادی سے خماسی تک ہی حروف کو جمع کرتے تھے، اس سے زیادہ ان کے ہاں کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید نے بھی حروفِ مقطّعات کو ان پانچ اقسام تک رکھا ہے اس سے بڑھایا نہیں تاکہ اسلوب غیر مانوس نہ لگے۔ اِس کی تائید اخفش، زجّاج اور ابن الانباری کے اقوال سے ہوتی ہے، جنہیں علامہ ابن جوزی نے 'زاد المسیر'[۱] میں، زمخشری نے 'الکشاف'[۲] میں اور ابن کثیر نے 'تفسیر القرآن العظیم'[۳] میں بیان کیا ہے۔ اس کا اشارہ امام رازی[۴] اور قرطبی[۵] کی تصریحات سے بھی ملتا ہے جو انہوں نے المبرد، الفراء اور قطرب وغیرہم کے اقوال پر قائم کی ہیں۔

۳۔ حروفِ مقطّعات کی تعبیر و تاویل

حروفِ مقطّعات کی تعبیر و تاویل کے بارے میں ائمۂ تفسیر میں دو مذاہب (schools of thought) پائے جاتے ہیں:

(۱) ابن الجوزي، زاد المسیر في علم التفسیر، ۱: ۲۰-۲۱
(۲) الزمخشري، الکشاف، ۱: ۲۷
(۳) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۹
(۴) الرازي، التفسیر الکبیر، ۲: ۷-۸
(۵) القرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۱۵۵-۱۵۶

۱۔ **پہلا مذہب** یہ ہے کہ حروفِ مقطّعات کی تعبیر علمِ مستور اور سِرِّ محجوب ہے۔ یہ پردوں میں چھپا ہوا راز ہے اور علماء اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ یہ اَسرارِ الٰہیہ اور متشابہات میں سے ہے، نہ اس کا علم کسی کو حاصل ہے نہ ہی اس کا حصول ضروری ہے، فقط اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ یہ شعبی، سفیان الثوری، ابو صالح، ابن زید، ربیع بن خثیم، ابو ظبیان الکوفی اور ابو حاتم بن حبّان کا مذہب ہے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ کے اقوال سے مذکورہ بالا مفہوم اخذ کیا ہے اور اسی پر اپنے موقف کی بنیاد رکھی ہے، سیدنا ابو بکر صدیق ﷺ سے مروی قول یہ ہے:

لِلّٰهِ فِي كُلِّ كِتَابٍ سِرٌّ، وَسِرُّهُ فِي الْقُرْآنِ: أَوَائِلُ السُّوَرِ. (۱)

ہر آسمانی کتاب میں اللہ تعالیٰ کے راز ہوتے ہیں، اور قرآن میں اللہ تعالیٰ کے راز سورتوں کی ابتدائیں (یعنی حروفِ مقطّعات) ہیں۔

امام طبرانی، بغوی، ثعلبی، رازی اور ابو السعود نے اس باب میں سیدنا علی ﷺ کا درج ذیل قول روایت کیا ہے:

لكل شيء صفوةٌ، وصفوة هذا الكتاب حروف التهجي. (۲)

---

(۱) ۱۔ الرازي، التفسير الكبير، ۲: ۴
۲۔ البغوي، معالم التنزيل، ۱: ۴۴
۳۔ ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۱: ۲۰
۴۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵: ۱۲۰

(۲) ۱۔ الطبراني، التفسير الكبير، ۱: ۸
۲۔ الرازي، التفسير الكبير، ۲: ۴
۳۔ البغوي، معالم التنزيل، ۱: ۴۴
۴۔ الثعلبي، الكشف والبيان عن تفسير القرآن، ۱: ۱۳۶
۵۔ أبو السعود، إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، ۱: ۲۱

ہر چیز کا ایک خلاصہ اور جوہر ہوتا ہے، سو اس کتاب 'قرآن' کا جوہر اور خلاصہ حروفِ مقطعات ہیں۔

اِسی طرح امام طبرانی نے امام شعبی سے یہ کلمات روایت کئے ہیں:

إن لله تعالی سرًّا في كتبه، وإن سرًّا في القرآن الحروف المقطعةُ. (۱)

بیشک اللہ تعالیٰ کا اس کی تمام نازل کردہ کتابوں میں کوئی نہ کوئی راز موجود ہے اور بے شک قرآن مجید میں اس کا راز حروفِ مقطعہ ہیں۔

ایسے اقوال کو امام ابو اللیث السمر قندی (۲) نے روایت کیا ہے اور امام قرطبی (۳) و دیگر ائمہِ تفسیر نے نقل کیا ہے۔ امام بیضاوی نے اس قول کی وضاحت یوں کی ہے:

أَنَّهَا أَسْرَارٌ بَيْنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَرُمُوْزٌ. (۴)

یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان رموز اور اسرار ہیں۔

۲۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ بے شک حروفِ مقطّعات اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبِ مکرم ﷺ کے درمیان راز ہیں اور متشابہات میں سے ہیں مگر کسی کو ان کی مراد معلوم نہ ہونے کا مطلب فقط یہ ہے کہ علماء اور مفسرین آیاتِ محکمات کی طرح اَز خود علوم وفنون کی مدد سے ان کے حقیقی معنی ومفہوم تک رسائی نہیں پا سکتے اور نہ ہی عوام کے لیے ان کا فہم و ادراک ضروری ہے۔ لیکن ان معانی و معارف میں سے **الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمُ** کو جتنا حصہ اللہ جل مجدہٗ اور رسول مکرم ﷺ چاہیں عطا فرماتے ہیں، اس میں کوئی منع ثابت نہیں، اس لیے خواص پر اِن کا علم اُن کے حسبِ حال منکشف کیا جاتا ہے۔ یہ ائمہ تفسیر میں سے اکثریت کا مسلک ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ اگر

(۱) الطبراني، التفسير الكبير، ۱: ۸

(۲) السمرقندي، بحر العلوم، ۱: ۲۰-۲۱

(۳) القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵: ۱۲۰

(۴) البيضاوي، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۱: ۹۳

حروفِ مقطّعات کا کچھ بھی علم کسی کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر ان کے قرآن مجید میں اُتارے جانے کا کوئی مقصد اور افادیت باقی نہیں رہتی۔ یہ بات کلامِ الٰہی کی شان اور اس وعدۂ الٰہی کے منافی ہے جس میں حضور نبی اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاِذَا قَرَاْنٰـهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ○ (۱)

پھر جب ہم اسے (زبانِ جبریل سے) پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی پیروی کیا کریں○ پھر بے شک اس (کے معانی) کا کھول کر بیان کرنا ہمارا ہی ذِمّہ ہے○

جب پورے قرآن کے معانی کو کھول کر بیان کرنے کا باری تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تو اس امر کا کوئی جواز نہیں رہتا کہ حروفِ مقطّعات کے معانی و معارف کھول کر بیان نہ کیے گئے ہوں گے۔ البتہ یہ وعدہ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے ہے، سو آپ ﷺ ہی پر یہ سب اسرار کھول دیے گئے اور یہ اختیار بھی آپ ﷺ ہی کو سونپ دیا گیا کہ اس خزانہ میں سے جس غلام کو جس قدر چاہیں عطا فرما دیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے جن اَقوال کی بنیاد پر پہلا مذہب تشکیل دیا گیا ہے وہ دوسرے مذہب سے متضاد نہیں ہے۔ ان کا مطلب صرف اپنے فہم و ذکاء سے ان کے معانی تک رسائی کی نفی تھا، بارگاہِ اُلوہیت اور بارگاہِ نبوت سے وہب و عطا کی نفی ہرگز نہ تھا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام، ائمہ تفسیر و حدیث اور اولیاء و عارفین نے کثرت سے ان کے مطالب و معارف اور مفاہیم و اطلاقات بیان کیے ہیں اور مفسرین کی بھی بھاری اکثریت نے یہی موقف اپنایا ہے۔ اس موقف کی بنیاد حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم، السدی الکبیر، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، الربیع بن انس، ابن جریج، ابن ابی نجیح اور ابو الضحی رضی اللہ عنہم کے اَقوال و تصریحات پر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جسے ابن جریج اور ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے اور امام بیہقی نے 'الأسماء والصفات' میں روایت کیا ہے۔ امام شعبی، حضرت سفیان ثوری

(۱) القيامة، ۷۵: ۱۸-۱۹

اور حضرت عبد الرحمان بن زید سے بھی اس کی تائید میں اقوال مروی ہیں، جنہیں حافظ ابن کثیر نے مختلف اسانید سے روایت کیا ہے۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے امام حسن البصری سے بھی اس کی تائید میں قول روایت کیا ہے۔ محمد بن السائب الکلبی، عطیہ بن الحارث الکوفی اور محمد بن کعب القرظی نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے۔ علاوہ ازیں ابو عبیدہ، اخفش، الکسائی، المبرد، الفراء، الزجاج، قطرب، الضحاک، ابن الانباری، ابن الخطیب، الخلیل، سیبویہ اور القفال وغیرہم سب اسی موقف کے حق میں ہیں۔ (۱)

مزید برآں زمخشری، بیضاوی، قرطبی، رازی، ابن الجوزی، ابن تیمیہ، المزی، ابن کثیر، نسفی، بغوی، خازن، سیوطی اور جملہ مفسرین کی بھاری اکثریت بھی اسی مذہب کی قائل ہے۔ القشیری، السلمی اور ابن العربی سمیت ائمہ تصوف میں سے اکابر مفسرین بھی اسی موقف کے مؤید ہیں۔ امام محمد بن علی الترمذی سے مروی ہے:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰی أَوْدَعَ جَمِيْعَ مَا فِي تِلْکَ السُّوَرِ مِنَ الْأَحْکَامِ وَالْقَصَصِ فِي الْحُرُوْفِ الَّتِي ذَکَرَهَا فِي أَوَّلِ السُّوْرَةِ، وَلَا يَعْرِفُ ذَالِکَ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ وَلِيٌّ، ثُمَّ بَيَّنَ ذَالِکَ فِي جَمِيْعِ السُّوَرِ لِيَفْقَهَ النَّاسُ. (۲)

اللہ تعالیٰ نے جو اَحکام، قصص اور معارف مختلف سورتوں میں نازل فرمائے تھے ان کا خلاصہ بعض سورتوں کی ابتداء میں حروفِ مقطّعات کی صورت میں ودیعت فرما دیا ہے، تاکہ بقیہ لوگ بھی انہیں سمجھ سکیں۔ اسے سوائے نبی اور ولی کے اور کوئی نہیں

(۱) ۱۔ الرازي، التفسير الکبير، ۷: ۱۵۳
۲۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷-۳۹
۳۔ السيوطي، الدر المنثور، ۲: ۱۵۰-۱۵۲
۴۔ الشنقيطي، أضواء البيان، ۱: ۱۹۲

(۲) ۱۔ أبو الليث السمرقندي، بحر العلوم، ۱: ۲۱
۲۔ قرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۱۵۶

www.MinhajBooks.com

جانتا۔ پھر انہی مضامین کو تمام سورتوں میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

علامہ آلوسی نے 'روح المعانی' میں اسی موضوع کو نہایت بسیط اور لطیف انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

بین المحبّین سرٌّ لیس یُفشیه
قولٌ ولا قلمٌ للخلقِ یحکیهِ

فلا یعرفهٌ بعد رسول اللهِ إلا الأولیاءُ الورثةُ، فهم یعرفونهٗ من تلک الحضْرة، وقد تنطِقُ لهم الحروفُ عمَّا فیها کما کانت تنطقُ لمن سبَّح بکفِّه الحصی وکلَّمه الضَّبُّ والظَّبي، کما صحَّ ذالک من روایة أجدادنا أهلِ البیتِ ﷺ، بل متی جَنی العبدُ ثمرةَ شجرة قرب النَّوافل، علِمها وغیرها بعلْم الله تعالی الَّذي لا یعزُب عن علمه مثقالُ ذرَّةٍ في الأرض ولا في السَّماء.

وما ذکرهُ المستدلُّ سابقًا من أنهٗ لو لم تکن مُفُهمةً کان الخِطاب بها کالخِطاب بالمُهُملِ إلخ. فمهُملٌ من القول، وإنَّ جلَّ قائلهٗ لأنهٗ إن أراد إفهام جمیع النَّاس فلا نُسلِّم أنه موجودٌ في العلمیَّة، وإن أراد إفهام المُخاطب بها، وهو هُنا الرسولُ فهو ممَّا لا یشکُّ فیه مؤمنٌ، وإن أراد جُملةً من الناس فَیا حیهلا إذ أربابُ الذَّوق یعرفونها، وهم کثیرون في المحمَّدیِّین والحمد للهِ:

نجوم سماء کلما أنقض کوکب
بدا کوکب تأوي إلیه کواکبه

وجهل أمثالنا بالمراد منها لا يضر، فإن من الأفعال التي كلفنا بها ما لا نعرف وجه الحكمة فيه: كرمي الجمرات، والسعي بين الصفا والمروة، والرمل، والاضطباع، والطاعة في مثله أدلّ على كمال الانقياد، ونهاية التسليم فلم لا يجوز أن يأمرنا من لا يسأل عما يفعل جل شأنه بما لم نقف على معناه من الأقوال، ويكون المقصود من ذلك ظهور كمال الانقياد من المأمور للآمر ونهاية التسليم والامتثال للحكيم القادر:

لو قال تيها قف على جمر الغضى
لوقفت ممتثلا ولم أتوقف

على أن فيه فائدة أخرى، هي: أن الإنسان إذا وقف على المعنى وأحاط به سقط وقعه عن القلب، وإذا لم يقف على المقصود منه مع القطع بأن المتكلم به حكيم، فإنه يبقى قلبه إليه أبدا ومتلفتا نحوه سرمدا ومتفكرا فيه، وطائرا إلى وكره بقدامى ذهنه وخوافيه وباب التكليف اشتغال السر بذكر المحبوب، والتفكر فيه وفي كلامه فلا يبعد أن يعلم الله تعالى أن في بقاء العبد ملتفت الذهن مشتغل الخاطر، بذلك أبدأ مصلحة عظيمة ومنّة منه عليه جسيمة، ربما يرقى بواسطتها إلى حظائر القدس ومعالم الأنس وأول العشق خيال وهذا لا ينافي كون القرآن عربيا مبينا.[1]

اہلِ محبت کے مابین ایک ایسا راز ہوتا ہے جسے کوئی قول یا قلم جو مخلوق سے بیان کرتا

---

(1) آلوسي، روح المعاني، ۱: ۱۰۰-۱۰۱

ہو افشاء نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے بعد وارثینِ انبیاء جو کہ اللہ کے ولی ہیں وہ اس مقدس بارگاہ سے اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور کبھی حروف خود ان سے اپنے اندر کے (پوشیدہ) معانی بیان کرتے ہیں۔ جیسے کہ اُن (آقائے نامدار ﷺ) سے گفتگو کرتے تھے، جن کے دستِ مبارک میں کنکریوں نے کلمہ پڑھا اور جن سے گوہ اور ہرن نے گفتگو کی، جیسا کہ ہمارے اجداد اہل بیت پاک علیہم السلام کی روایات صحیحہ میں آیا ہے۔ بلکہ جب بندہ شجرۂ قربِ نوافل کو حاصل کرتا ہے تو وہ اللہ کے اُس فیض سے اس کا اور اس کے علاوہ دیگر اُمور کا علم حاصل کر لیتا ہے جس سے زمین و آسمان میں ذرہ برابر شے بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

اور وہ جو اس استدلال کے قائم کرنے والے نے پہلے ذکر کیا کہ اگر یہ حروف قابل فہم نہیں ہیں تو ان کے ساتھ کسی کو مخاطب کرنا ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی کو بے معنی کلام کے ساتھ مخاطب کرنا۔ لہٰذا یہ بے معنٰی کلام ہوگا خواہ اس کا کہنے والا کتنا ہی شان والا ہو، کیونکہ

۱۔ اگر تو متکلم نے تمام انسانوں کو سمجھانے کے لیے یہ کلام کیا ہے تو ہمیں تسلیم نہیں کہ اس بات کا علیت میں کوئی وجود ہے۔

۲۔ اگر اس سے صرف مخاطب کو سمجھانا مقصود ہے جو کہ اس مقام پر رسول مکرم ﷺ ہیں تو اس بات میں کسی اہل ایمان کو شک نہیں گزر سکتا۔

۳۔ اور اگر انسانوں کے کسی خاص گروہ کو سمجھانا مقصود ہو تو پھر تو کیا ہی خوب بات ہے (کہ ہمارا مقصود بھی عین یہی بات ہے) کیونکہ صاحبان ذوقِ سلیم ان حروف کو جانتے ہیں اور ایسے لوگ محمدیون میں کثیر ہیں۔ والحمد للہ

وہ آسمان کے ستارے ہیں کہ جب بھی کوئی ستارہ گرا ایک اور ستارہ ظاہر ہوا کہ دیگر ستارے اس کی پناہ لیتے ہیں۔

اس کی مراد سے ہم جیسے جاہلوں کا بے بہرہ ہو جانا عقیدہِ مطلب پر نقص وارد نہیں کرتا کیونکہ کثیر احکام ایسے ہیں جن کا سبب ہمیں معلوم نہیں۔ مثلاً رمی الجمرات، صفا اور مروہ کی سعی، رمل، اضطباع وغیرہ۔ اس طرح کے معاملات میں اطاعت کمال فرماں برداری اور خود سپردگی پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ بات کس طرح ناجائز ہو جائے گی کہ جس خدائے جل شانہ سے اس کے فعل پر سوال نہیں ہوسکتا، وہ ہمیں ایسی بات کا حکم دے جس کی حکمت ہمیں معلوم نہ ہو۔ جب کہ اس کا مقصود (بھی) جس کو حکم دیا گیا ہے اس کی طرف سے حکم دینے والے کی بارگاہ میں کمال درجہ کی فرماں برداری، سرِ تسلیم خم کرنے اور صاحبِ حکمت و قدرت کے سامنے سراپا تعمیل بن جانے کا اظہار ہو۔

اگر وہ حیرانگی میں کہتا کہ تو غضیٰ درخت کی چنگاریوں پر کھڑا ہو جا تو میں ضرور تعمیل میں کھڑا ہو جاتا اور ایک لمحہ توقف نہ کرتا۔

پھر اس میں ایک اور نکتہ بھی ہے: وہ یہ کہ انسان اگر حکم کے پس پردہ حکمت کا احاطہ کر لے تو اس کا مقام قلب سے گر جاتا ہے (یعنی پھر وہ دماغی چیز ہو جاتی ہے قلبی نہیں رہتی)۔ لہٰذا اگرچہ مقصود کا علم نہ ہو سکے لیکن یہ یقین کامل رہنا چاہئے کہ حکم دینے والا صاحب حکمت ہے اور انسان اِس بات کی طرف ہمیشہ (ایمان کے ساتھ) متوجہ رہے، تفکر میں مصروف رہے اور تمام تر ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ اس کی طرف ایسے محو پرواز رہے جیسے پرندہ اپنے گھونسلے کی طرف۔ نیز مکلّف بنانا راز کو محبوب کے ذکر، اس کی شان اور اس کے کلام میں تفکر میں مشغول کر دینے کی قبیل سے ہے۔ لہٰذا یہ بات بعید نہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہو کہ بندے کے ذہن کا اس امر کی طرف متوجہ رہنا اور دل کا اس میں مشغول رہنا ہمیشہ اس کے حق میں ایک نعمت عظیمہ اور اللہ کی طرف سے اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ بارگاہِ اقدس سے یہ بھی ممکن ہے کہ بندہ اس بات کے وسیلے سے **حظائر القدس** (قرب الٰہی) اور **معالم الأنس** (محبت کے نشان ہائے راہ) تک ترقی کر جائے۔ عشق کا آغاز خیال سے ہی

ہوتا ہے اور یہ بات قرآن کے واضح عربی زبان میں ہونے کے خلاف نہیں۔

اسی مؤقف کی وضاحت امام ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر ’البحر المدید‘ میں ’آلٓمٓ‘ کی تشریح کرتے ہوئے بڑے خوبصورت الفاظ میں یوں کی ہے:

وقد حارت العقول في رموز الحكماء، فكيف بالأنبياء؟ فكيف بالمرسلين؟ فكيف بسيد المرسلين؟ فكيف يطمع أحد في إدراك حقائق رموز رب العالمين؟! قال الصديق ﷺ: (في كل كتاب سر، وسر القرآن فواتح السور).ه. فمعرفة أسرار هذه الحروف لا يقف عليها إلا الصفوة من أكابر الأولياء. وكل واحد يلمع له على قدر صفاء شربه.[1]

عقلیں تو حکماء کے اسرار و رموز کی بابت حیرانگی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ انبیاء کا معاملہ پھر کیسا ہوگا؟ اس پر مستزاد مرسلین کا معاملہ پھر کیسا ہوگا؟ پھر سید المرسلین ﷺ (کے اسرار) کا معاملہ کیسے (کسی کی سمجھ میں آ سکتا) ہے۔ اب بھلا کوئی رب العالمین کے رموز کی حقیقت جان لینے کا خواہش مند کیونکر ہوسکتا ہے؟ سیدنا صدیق اکبر ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ’ہر کتاب کا کوئی نہ کوئی راز ہوتا ہے اور قرآن کا راز سورتوں کے افتتاحی کلمات ہیں۔‘ ان حروف کی معرفت سوائے برگزیدہ اولیاء و اکابر کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی اور ہر کسی پر اس کا نور اس کے مشروب کی صفائی کی مقدار کے مطابق ہی چمکتا ہے۔

اِسی ضمن میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے امام سجاوندی سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے:

حروفِ مقطّعات، اللہ تعالیٰ اور نبی مکرم ﷺ کے درمیان راز ہیں اور دوستوں کے

---

(۱) ابن عجيبه، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ۱: ۵۱

www.MinhajBooks.com

درمیان ایسے اشارات ہوا کرتے ہیں، مگر باری تعالیٰ غلامانِ رسول ﷺ میں سے جسے چاہتا ہے یہ راز عطا فرماتا ہے۔

اِس کے بعد اُنہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بطور دلیل نقل کیا ہے:

أنا من الراسخين في العلم، وأنا ممن يعلم تأويله.

میں علم میں پختگی رکھنے والوں میں سے ہوں، اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو حروفِ مقطّعات کی تعبیر جانتے ہیں۔

اِس کے بعد قاضی ثناء اللہ پانی پتی بیان کرتے ہیں:

وكذا عن مجاهد.

اور اِسی طرح کا قول حضرت مجاہد سے بھی مروی ہے۔

بعد ازاں وہ اپنے شیخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حروفِ مقطّعات کی تعبیر اور ان کے اَسرار منکشف فرمائے ہیں۔[1]

۱۔ اس بات کا جو درحقیقت فی نفسہ مقصود و مرام کے مطابق ہے، سوائے اہل دانش کے کوئی ذکر نہیں کرتا اور وہ بھی اپنے غور وخوض یا اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فیض اور اس کے الہام سے۔ چونکہ یہ معانی ازل سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے لیے مخصوص ہو چکے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا اُنہیں یاد دلانا، اُن پر الہام کرنا اور اُنہیں اطلاع دینا، ان کی خصوصیت کو ظاہر کرنے اور دوسرے کے مقابلے میں ان کی امتیازی شان کو اُبھارنے کے لیے ہے۔

۲۔ عبدالرحمٰن بسطامی اپنی کتاب 'الفواتح المسكية في بحر الوقوف' میں رقم فرماتے ہیں: پھر بعض انبیاء حروف کے اسرار کو وحی ربانی اور القائے صمدانی کے ذریعے معلوم کرتے ہیں اور بعض اولیاء جلی، نورانی کشف اور عالی درجہ روحانی فیض کے ذریعے جبکہ بعض علماء

(۱) قاضي ثناء الله پانی پتی، تفسير المظهری، ۱: ۱۴-۱۵

بذریعہ نقل صحیح اور ترجیح عقلی۔ پھر اُن میں سے ہر ایک نے ان اسرار میں سے بعض کشف و مشاہدہ یا تحریر کے ذریعے اپنے اصحاب سے بیان کئے ہیں۔

صحیح تو یہ ہے کہ اسرارِ حروف کے علم میں گوناگوں اُلوہی حکمتوں اور ربانی مصلحتوں کے سبب سے اِن کا علم اُمت کی اکثریت سے پردوں میں لپیٹ دیا گیا ہے اور اکابر کو بھی ان میں سے بعض اسرار سے زیادہ کی معرفت کا اذن نہیں دیا۔

ائمہ کرام کی عبارات و تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں ایک تیسرا مذہب بھی پایا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ بعض اہل علم کو نسبت محمدی ﷺ میں فنائیت کے باعث ایک خاص شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔ اُن کے سینوں میں ایک ایسا نور آباد ہو جاتا ہے جو دیگر غائب اشیاء کی طرح حروف مقطعات کے معانی کو بھی ان پر منکشف کرتا ہے۔ اِس طرح یہ خوش نصیب اُس نور کی برکت سے وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جس تک کسی آنکھ کی رسائی نہیں ہے۔ پھر حروفِ مقطعات ہوں، اَمثال یا قرآن مجید کے دیگر متشابہات اُن سے گویا سب کلام کرتے ہیں اور اپنے منطبقات اور اطلاقات کا اُس سے تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ شرحِ صدر کے نور کی بدولت سب کچھ صاف صاف دیکھ لیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (۱)

بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے، (اس کے برعکس) اُن لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کے ذکر (کے فیض) سے (محروم ہو کر) سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۝

(۱) الزمر، ۳۹: ۲۲

آپ نے غور کیا ہو گا کہ اس میں شرح صدر کا معنی اللہ کی طرف سے نور پر متمکن ہونے کا کیا گیا ہے۔ یہ نور سینے میں ہو تو سینے کو ملاء اعلیٰ سے جوڑ دیتا ہے۔ جو کچھ عالمِ مثال میں منتقل ہو چکا ہے یا ابھی پردۂ غیب میں ہی ہے تو وہ بھی اُن پر منکشف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حروفِ مقطعات کا معاملہ ہے کہ ان کے معانی سفید دن کی طرح اُن کی نگاہ پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً شیخ نجم الدین الکبریٰ تأویل الأحادیث کے تحت فرماتے ہیں:

وهو العلم اللدُنّي الذي يختص به القلب.

علم لدنی وہ علم ہے کہ جس کے ساتھ مومن کا دل خاص ہے یعنی یہ مومن کے دل کی خصوصیات میں سے ہے۔

صاحب روح البیان لکھتے ہیں:

شرح الصدر للإسلام عبارة عن تكميل الاستعداد. (۱)

اسلام کے لیے شرح صدر استعداد کے مکمل ہونے سے عبارت ہے۔

الفقیہ القاضی ابو محمد بن ابی نصر المصری الشافعی مذکورہ آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

فهم على نورٍ منه، وبذلک النور يلبسون، فيرون الحق بنور الحق ويرون ما دون الحق من العرش إلى الثرى بنوره.

وہ اللہ کی طرف سے نور پر متمکن ہیں اور اس نور کے لباس میں ہیں۔ وہ نورِ حق کے ساتھ حق کو دیکھتے (پا لیتے) ہیں اور حق کے علاوہ از عرش تا تحت الثریٰ (ہر شے کو) اِس نور سے دیکھتے ہیں۔

(۱) إسماعيل الحقی، روح البيان، ۸: ۹۴

پھر مزید لکھتے ہیں:

فيستشهد بذلک النور الغيوب.

وہ اُس نور کے ساتھ غیوب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس کی بابت مزید فرماتے ہیں کہ شرح صدر اور یہ نور اُن کے دلوں کو منور اور زبانوں کو حکمت سے لبریز کر دیتا ہے۔ مزید یہ کہ:

منحة عظيمة لا يحتملها أحد إلّا المؤيَّدون بالعناية والرعاية.

یہ ایک عظیم القدر عطاء ہے جس کے حامل صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو بارگاہ اُلوہیت سے عنایت اور رعایت کی تائید حاصل کر چکے ہوں۔

نجم الدین الدایہ اور علاؤ الدین السمنانی کی **تأويلات النجمية** میں ہے: یہ آیت اِس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ایمان نور ہے۔ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کے دلوں کے چراغ روشن کرتا ہے اور اسلام نور ایمان کی روشنی ہے۔ جس سے ان کے سینوں کی قندیلیں روشن ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نورِ اسلام کی روشنی کے ذریعے سے جس کا سینہ کھول دے وہ اپنے رب کی نگاہ شفقت وعنایت سے نور پر متمکن ہوتا ہے۔

شیخ اسماعیل الحقی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ويتنورون بأنوار صفاته منها نور اللوائح بنور العلم ثم نور اللوامع ببيان الفهم...الخ.(۱)

(اہل اللہ) اللہ تعالیٰ کی صفات کے انوار سے نورانی ہو جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک 'لوائح' کا نور ہے (صفات لائحہ کا نور) جس کا ذریعۂ (ظہور) نورِ علم ہے اور ان میں سے ایک 'صفاتِ لامعہ' کا نور ہے جس کے ظہور کا ذریعہ فہم کا بیان ہے۔

---

(۱) **إسماعيل الحقي، روح البيان، ۸: ۹۶**

امام ابو العباس احمد بن عجیبہ الحسنی تحریر فرماتے ہیں:

فهو على نور عظيم من ربه، وبصيرة في دينه، وهذا النور: هو اللطف الإلٰهي الفائض عليه عند مشاهدة الآيات التكوينية والتنزيلية، والتوفيق للاهتداء بها، أو: بمحض الإلهام من الجود والكرم، فيقذف في قلبه نور اليقين، بلا سبب، أو: بصحبة أهل النور. (۱)

وہ اپنے رب کی طرف سے ایک عظیم نور اور اپنے دین کی بڑی بصیرت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ نور اصل میں اُس پر ربانی لطف کی بارش ہے جو اس پر کائنات میں بکھری نشانیوں اور (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) نازل کردہ آیات کے مشاہدے (مطالعہ) کے وقت برستی ہے۔ اِن نشانیوں اور آیات سے مراد ہدایتِ حق کے حصول کی توفیق ہے (یعنی اس کے باطن میں معانی کو سمجھنے کی صلاحیت ہے)۔ یا پھر اس کے جود و کرم سے محض الہام ہے جو اس کے دل میں یقین کا نور بھر دیتا ہے۔ یہ کرم بغیر کسی سببِ ظاہری کے بھی ہوسکتا ہے یا کسی نور والے کی صحبت سے بھی نصیب ہوتا ہے۔

پھر قرآن مجید میں 'فعنده نور من ربه'' (اس کے پاس اُس کے رب کی طرف سے نور ہے)، یا 'فله نور من ربه' (اس کے لیے اپنے رب کی طرف سے نور ہے)، فرمانے کے بجائے 'فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ' (پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر متمکن ہو جاتا ہے) ارشاد فرمایا گیا ہے۔ علامہ آلوسی اس کی حکمت ارشاد فرماتے ہیں:

وعدل عن 'فعنده' أو 'فله' نور إلى ما في النظم الجليل؛ للدلالة على استمرار ذلک واستقراره في النور. (۲)

اُسلوبِ بیان کو فعنده (نور من ربه) یا فله (نور من ربه) سے ان الفاظ کی طرف

---

(۱) ابن عجيبة، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ۵: ۶۸

(۲) آلوسي، روح المعاني، ۲۳: ۲۵۷

www.MinhajBooks.com

پھیرا گیا ہے جو آیت کریمہ میں ہیں (یعنی: 'فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ')، تاکہ اس امر کے دائم ہونے اور اُس (نور حاصل کرنے والے) کے نور میں پختگی حاصل کر لینے پر دلالت ہو۔

اِس امر کی وضاحت کثیر مفسرین کرام نے بیان کی ہے۔ امام عبد اللہ بن مبارک نے 'الزھد' میں، حاکم نے 'المستدرک' میں، بیہقی نے 'الزھد' میں اور سعید بن منصور نے 'السنن' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شرح صدر کیا ہے اور کیسے ہوتا ہے؟ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

إذا دخل النور الصدر انشرح وانفسح.

جب نور دل میں داخل ہوتا ہے تو دل کھل جاتا ہے اور وسعت پذیر ہو جاتا ہے۔

اِس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال عرض کیا کہ آیا اس کی کوئی نشانی بھی ہے تو ارشاد ہوا:

التجافي عن دار الغرور، والإنابة إلى دار الخلود، والاستعداد للموت قبل الموت. (۱)

دھوکے کے گھر (دنیا) سے کنارا کشی، دائمی گھر (آخرت) کی طرف رجوع اور موت کے آنے سے پہلے اس کی تیاری۔

اِس حدیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں نور کے متمکن ہونے کو شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ نورِ علم کا ذریعہ ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم کا مرکز صرف

---

(۱) ۱۔ ابن المبارك، الزهد، ۱: ۱۰٦، رقم: ۳۱۵
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۳۴٦، رقم: ۷۸٦۳
۳۔ سعيد بن منصور، السنن، ۵: ۸۸، رقم: ۹۱۸
۴۔ بيهقي، الزهد الكبير، ۱: ۳۵٦، رقم: ۹۷۴

دماغ نہیں جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں، بلکہ علم نافع کا ایک مرکز قلب بھی ہے۔ قلب میں آنے والا اور قلب سے پھوٹنے والا علم حکمت سے پُر اور پختہ یقین کا حامل ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

العلم علمان: فعلم في القلب، فذلک العلم النافع، وعلم علی اللسان، فذلک حجة اللہ علی ابن آدم.(۱)

علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ علم جو دل میں ہوتا ہے اور وہ حقیقی معنوں میں نفع بخش علم ہے۔ دوسرا علم جو زبان پر ہوتا ہے (یعنی ظاہر کا علم) اور یہ علم بنی آدم پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔

باطنی علم

آج کے مادیت زدہ دور میں بالعموم دو ہی طرح کے لوگ رہ گئے ہیں۔ ایک وہ جو باطن کے نام پر دُنیاداری کرتے پھر رہے ہیں حالانکہ اُن کا جعلی پن اس حد تک ترقی پر ہے کہ باطن کی ب سے بھی نابلد ہیں۔ دوسرے وہ جو اِن دھوکہ بازوں کے ردعمل میں سامنے آئے اور باطن کا مطلق انکار کر بیٹھے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ باطن حق ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ آج بھی چند لوگ ضرور دھوکہ دہی سے پاک موجود ہیں۔ اسی طرح علم بھی علم ظاہر اور علم باطن ہوتا ہے۔ عمل بھی ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے علم کا بھی ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ صحیح ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آقائے دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ، ۱: ۱۱۴، رقم: ۳۶۴
۲۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۷: ۸۲، رقم: ۳۴۳۶۱
۳۔ الربیع، المسند، ۱: ۳۶۵، رقم: ۹۴۷
۴۔ خطیب بغدادي، تاریخ بغداد، ۴: ۳۴۶

أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِکُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ. (۱)

قرآن سات حروف یا قراءات پر نازل کیا گیا ہے، اس کی ہر آیت کا ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی ہے۔

امام ابو یعلی کی ایک روایت میں ہے:

وَإِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِکُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِکُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ. (۲)

بے شک قرآن سات حروف یا قراءات پر نازل ہوا ہے، اس کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ہر حرف کی ایک حد (جس سے ماوراء کوئی معنی لینا درست نہ ہو) ہے اور ہر ایک حد کے لیے ایک مطلع (جائے طلوع) ہے۔

اللہ رب العزت کی ذات و صفات جملہ حدود سے پاک ہیں۔ اس کا کلام اس کی صفات میں سے ہے، لہٰذا اس کے اسرار و معانی کی کوئی حد کیسے ہوسکتی ہے۔ لہٰذا جس طرح اس کے ظاہر کے معنی حد ناآشنا ہیں اور ہر زمانے میں ایک نئے رنگ سے اہل علم و دانش کی حیرت کا سامان کرتے ہیں اسی طرح اس کا باطن بھی اپنی معنوی وسعت میں حدود سے ماورا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے:

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ. (۳)

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۱:۲۷۶، رقم: ۷۵
۲۔ بزار، المسند، ۵:۴۴۲، رقم: ۲۰۸۱
۳۔ أبو یعلی، المسند، ۹: ۲۷۸، رقم: ۵۴۰۳
۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱:۲۳۶، رقم: ۷۷۳
۵۔ هيثمي، موارد الظمأن، ۱:۴۴۰، رقم: ۱۷۸۱
(۲) أبو یعلی، المسند، ۹: ۸۱-۸۲، رقم: ۵۱۴۹
(۳) الکهف، ۱۸:۱۰۹

فرما دیجیے: اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے روشنائی ہوجائے تو وہ سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا۔

اِسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللهِ. (۱)

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں (سب) قلم ہوں اور سمندر (روشنائی ہو) اس کے بعد اور سات سمندر اسے بڑھاتے چلے جائیں تو اللہ کے کلمات (تب بھی) ختم نہیں ہوں گے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اُنہوں نے مولائے کائنات سیدنا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے عطا فرمودہ وحی کے کلمات ہیں؟ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا فَهْمًا يُعْطِيهِ اللهُ رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ. (۲)

قسم ہے اُس ذات کی جس نے بیج کو پھاڑا (یعنی اُس میں سے درخت نکالا) اور انسانی جان کو پیدا کیا! میرے دائرہ معلومات میں ایسی کوئی چیز نہیں، ماسوائے اس فہم قرآن کے جو اللہ تعالیٰ کسی شخص کو عطا فرمائے۔

---

(۱) لقمان، ۳۱: ۲۷

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب فكاك الأسير، ۳: ۱۱۱۰، رقم: ۲۸۸۲

۲۔ ترمذي، السنن، كتاب الديات، باب ما جاء لا يقتل مسلم بكافر، ۴: ۲۴، رقم: ۱۴۱۲

حضرت علی ؓ ہی ارشاد فرماتے ہیں، کوئی آیت ایسی نہیں جس کے چار معانی نہ ہوں:

۱۔ ظاہر

۲۔ باطن

۳۔ حد

۴۔ مطلع

ظاہر 'تلاوت' ہے، باطن 'فہم' ہے، حد 'حلال وحرام' کے احکام ہیں اور مطلع 'اس بات کا علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کے ذریعے بندے سے کیا مطالبہ کر رہا ہے'۔[1]

امام جعفر الصادق کا ارشاد گرامی ہے کہ کتاب اللہ میں چار باتیں ہیں:

العبارة والإشارة واللطائف والحقائق، فالعبارة للعوام، والإشارة للخواص، واللطائف للأولياء، والحقائق للأنبيا.

عبارت، اشارہ، لطائف اور حقائق، پس عبارت عوام کے لیے، اشارہ خواص کے لیے، لطائف اولیاء کے لیے اور حقائق انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے۔

آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو نو جہتوں سے پڑھا جاتا ہے۔ الحق، الحقیقہ، التحقق، الحقائق، العقود، عہود، حدود، قطع العلائق اور اجلال المعبود۔

آپ ہی کا یہ ارشاد بھی ہے کہ قرآن مجید کا نزول ۷ انواع پر ہے، تعریف، تکلیف، تعطیف، تشریف، تألیف، تخویف اور تکفیف۔ پھر اس کے بعد أمر، نہی، وعد، وعید، رخصت وتأسیس اور تمحیص کا نزول ہوا۔ پھر داعی، راعی، شاہد، حافظ، شافی، دافع اور نافع کو نازل کیا گیا۔

(۱) أحمد الشربيني، تفسير السراج المنير، ۱:۳۹-۴۰

سید الطائفہ حضرت جنید البغدادی کا ارشاد گرامی ہے، کلام اللہ چار معانی پر ہے، ظاہر، باطن، حق اور حقیقت۔

یہ تمام اقوال امام روزبہان البقلی الشیرازی نے اپنی تفسیر عرائس البیان میں رقم فرمائے ہیں۔[1]

اب تک کی گفتگو سے واضح ہو گیا کہ نہ صرف یہ کہ علومِ القرآن ظاہر ہوتے ہیں بلکہ باطن بھی۔ نیز یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انسانوں میں ایسے اہل اللہ بھی ہوتے ہیں جنہیں شرح صدر کا نور ملتا ہے۔ اس نور کے ذریعے جہاں دیگر مغیبات ان پر منکشف ہوتے ہیں وہاں قرآنی آیات کے مدلولات اور اس کے الفاظ و حروف کے معانی بھی اُن پر کھلتے ہیں۔ گویا کہ الفاظ خود بول کر، اُن سے مخاطب ہو کر اپنے درست اطلاقات بیان کرتے ہیں۔ یہ لوگ متشابہات کی لایعنی تاویلات میں نہیں پڑتے، جس کے نتیجے میں بعض آیاتِ قرآنی بظاہر دیگر بعض آیات سے متصادم محسوس ہونے لگ جائیں۔ ان کامل العلم افراد کو قرآن مجید 'الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ' کا نام دیتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ.[2]

اور اس کی اصل مراد کو اللہ اور علم میں کامل پختگی رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہ وہ خوش نصیب ہیں جو اصل مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ میں وقف اگر **الراسخون في العلم** پر ہو تو اس کا عطف اسمِ جلالت پر ہوگا۔ '**البحر المديد**' میں اس آیت مبارکہ کے ذیل میں یوں لکھا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ﴾ على الحقيقة ﴿اِلَّا اللّٰهُ﴾ تعالیٰ، وقد يطلع عليه

---

(۱) روزبهان البقلي الشيرازي، عرائس البيان في حقائق القرآن، ۱: ۱۳

(۲) آل عمران، ۳: ۷

بعض خواص الأولياء وهم الراسخون: أي: الثابتون في العلم، وهم العارفون بالله أهل الفناء والبقاء...... فقد أطلعهم الله على أسرار غيبه، فلم يبق عندهم متشابه في الكتاب ولا في السنة. (۱)

اس کا حقیقی معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ اپنے بعض خواص اولیاء کو اس پر اطلاع دیتا ہے۔ جو کہ 'الراسخون' ہیں۔ یعنی علم میں مضبوط (اور ثابت قدم) اور وہ اہل فناء وبقا اورعرفاء باللہ ہیں۔ ...... اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ انہیں اپنے اسرارِغیبیہ پر اطلاع (کی صلاحیت) دے دی ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک نہ قرآن میں کوئی متشابہ رہتا ہے اور نہ حدیث میں۔

اِسی طرح تفسیر التستری میں ہے:

قوله: ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ قال: حكي عن علي ﷺ: هم الذين حجبهم العلم عن الاقتحام بالهوى والحجج المضروبة. دون الغيوب لما هداهم الله وأشرفهم على أسراره المغيبة في خزائن العلوم فقالوا: ﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ فشكر الله تعالى لهم وجعلهم أهل الرسوخ والمبالغة في العلم زيادة منه لهم، كما قال الله تعالى: ﴿وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِی عِلْمًا﴾ (طه، ۲۰: ۱۱٤)**. قال سهل: استشنى الله تبارك وتعالىٰ الراسخين في العلم بقولهم: ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾، وهم الكاشفون عن العلوم الثلاثه إذ العلماء ثلاثة: الربانيون، والنورانيون والذاتيون. وبعد العلوم أربعة: الوحي، والتجلي، والعندي، واللدني. كما قال تعالى: ﴿اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾** (الكهف، ۱۸: ٦٥). (۲)

(۱) ابن عجيبة، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ۱: ۳۲۵

(۲) سهل بن عبد الله التستري، تفسير التستري، ۱: ۴٦

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: 'اور علم میں کامل پختگی رکھنے والوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔' حضرت علی ﷛ سے مروی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اَصابتِ علم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے خاص سامانِ ہدایت کے سبب ہوا وہوس کی دلدل میں کود جانے سے اور ایک دوسرے کے متضاد کٹ حجیتوں سے بچا لیا ہے۔ بخلاف ان غیوب کے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے خزانوں میں سے اِن غیبی اسرار کو اُن کے زیر نگاہ رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں: 'ہم اس (کے حق ہونے) پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اُتری ہے۔' اللہ تعالیٰ نے ان کی قدردانی فرمائی اور انہیں اپنی بارگاہ سے علم میں رسوخ اور مبالغہ کی زیادتی ارزانی فرمائی۔ جیسا کہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے: 'اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دےo'. حضرت سہل بن عبد اللہ التستری فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے **الراسخون في العلم** کا استثنیٰ فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہیں: '**كلٌّ من عند ربنا**' یعنی ناسخ، منسوخ، محکم، متشابہ، غرض ہر بات ہمارے رب کی طرف سے ہے (اور حق ہے)۔ وہ تین علوم سے پردہ اُٹھانے والے ہیں کیونکہ علماء تین طرح کے ہوتے ہیں: ربانی، نورانی اور ذاتی۔ جبکہ علم چار طرح کا ہوتا ہے: علم بالوحی، علم بالتجلی، علم العندی اور علم اللدنی۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: 'جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علمِ لدنی (یعنی اَسرار و معارف کا اِلہامی علم) سکھایا تھاo'

امام بغوی فرماتے ہیں:

إن تأويل المتشابه يعلمه الله ويعلمه الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْم. (۱)

متشابہ آیات کا حقیقی معنی صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے۔

علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

إن التأويل المطابق للواقع كما شعر به التعبير بالعلم، والإضافة إلى

(۱) البغوي، معالم التنزيل، ۱: ۲۸۰

www.MinhajBooks.com

اللہ تعالیٰ مخصوص به سبحانه وبمن وفّقه عز شانه من عباده الراسخين في العلم أي الذين ثبتوا وتمكنوا فيه ولم يتزلزلوا في مزالّ الإقدام ومداحض الأفهام دونهم حيث أنهم بمعزل عن تلك الرتبة هذا ما يقتضيه الظاهر في تفسير الراسخين. (۱)

تاویل وہ ہے جو مطابقِ واقع ہو۔ جیسا کہ اسے لفظ علم کے ساتھ تعبیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا (واضح کرتا ہے کہ یہ) خاص ہے اللہ کے ساتھ اور اللہ کے اُن علم میں رسوخ رکھنے والے بندوں کے ساتھ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے۔ یعنی ایسے لوگ جو علم میں پختہ اور متمکن ہوئے اور جن مقامات پر قدم لڑکھڑا جاتے ہیں یا فہم و ادراک درجۂ سلامتی سے گر جاتے ہیں، وہاں اِن کے قدم نہیں پھسلے۔ کیونکہ وہ لوگ اس (قدم کی لغزش والے) مقام سے دور ہیں۔ 'راسخین' کی تفسیر میں کلام کا ظاہر اسی معنی کا متقاضی ہے۔

اِس کے بعد علامہ آلوسی ابن عساکر کے حوالے سے ایک حدیث بیان کرتے ہیں جس میں حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے '**راسخون في العلم**' کا معنی پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

من صدق حديثه، وبر في يمينه، وعف بطنه وظهره، فذالک الراسخون في العلم. (۲)

جس کی بات سچی ہو، جو اپنی قسم پوری کرے اور جو اپنے پیٹ اور شرم گاہ کی پاکیزگی کی حفاظت کرے وہی علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں۔

---

(۱) آلوسي، روح المعاني، ۳: ۸۳

(۲) ۱۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۵۵: ۱۹۶

۲۔ آلوسي، روح المعانی، ۲: ۲۵۰

۳۔ سيوطي، الدر المنثور، ۲: ۱۵۱

اب تک ہم پر واضح ہو چکا ہے کہ حروف مقطعات کے معانی صاحبان شرح صدر پر کھلتے ہیں۔ صاحبان شرح صدر کی چند نشانیاں جو احادیث میں آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ آخرت کی طرف رجوع کرنے والے

۲۔ دُنیا سے کنارہ کشی کرنے والے

۳۔ موت کی تیاری میں مشغول رہنے والے

۴۔ سچ بولنے اور جھوٹ سے پاک رہنے والے

۵۔ وعدہ وفا کرنے والے

۶۔ پیٹ کو حرام اور ناجائز سے محفوظ رکھنے والے

۴۔ حروفِ مقطّعات کی تعبیر میں مختلف اَقوال

(۱) پہلا قول

یہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ مبارکہ میں سے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

یہ اسماء مقطعہ ہیں، اگر لوگوں کو ان کی حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اسم کے ذریعے پکاریں کہ ان کی ہر دعا قبول ہو جائے۔[۱]

ابن ماجہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ 'یا کٓھٰیٰعٓصٓ! إغفر لي (اے کھٰیٰعٓصٓ! مجھے معاف فرما دے)' کے کلمات کے ساتھ دعا کرتے تھے۔ حضرت الربیع بن انس سے مروی ہے کہ **کھیعص** اسماءِ الٰہیہ ہیں اور ان کا معنی ہے: 'جو پناہ دے اور اس کے خلاف پناہ نہ دی جا سکے۔' یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ 'یا **حمعسق**' کے اسماءِ مبارکہ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کو پکارا کرتے تھے۔[۲]

---

(۱) ابن الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ۱: ۲۰

(۲) ۱۔ البیضاوی، أنوار التنزیل وأسرار التأویل، ۱: ۹۳

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے 'الٓر' 'حمٓ' اور 'ن' کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ ہجاءِ مقطعہ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کا اسم 'الرحمٰن' ہے، یعنی حروفِ اسم 'الرحمٰن' کو الگ الگ کر کے لکھا گیا ہے۔(۱)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ 'الٓر' 'حٰمٓ' اور 'نٓ' کا مجموعہ اسم 'الرحمٰن' ہے۔(۲)

ابن جریر الطبری(۳) اور ابن ابی حاتم(۴) نے ان اَقوال کو روایت کیا ہے۔

امام بیہقی نے 'کتاب الأسماء والصفات' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے 'أَلٓمٓ' کے بارے میں بھی اسی طرح کا قول روایت کیا ہے۔(۵)

ابن جریج اور ابن ابی حاتم نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ 'الٓمٓ' اور 'طٰسٓ' باری تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہیں۔(۶)

اسی طرح ابن ابی شیبہ نے اپنی تفسیر میں اور عبد بن حمید اور ابن المنذر نے شعبی سے روایت کیا ہے: ان سے فواتح السور یعنی حروفِ مقطّعات کی نسبت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ ہجاء مقطعہ کی صورت میں اسماء الٰہیہ میں سے ہیں، اگر ان حروف کو باہم ملا دیں تو اللہ تعالیٰ کے

۲۔ ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۵: ۲۰۵
۳۔ آلوسي، روح المعاني، ۱۶: ۵۷

(۱) ۱۔ ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۴: ۴
۲۔ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۴: ۳۴۰
(۲) أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الكتاب، ۱: ۲۵۷
(۳) الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۷-۸۸
(۴) ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲-۳۳
(۵) بيهقي، الأسماء والصفات، ۱: ۲۳۲، رقم: ۱۶۸
(۶) ۱۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲
۲۔ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۱: ۵۷

www.MinhajBooks.com

مختلف اسماء بنتے ہیں۔[1]

ابو العالیہ اور الربیع بن انس کی رائے بھی یہی ہے۔[2]

امام بیہقی اور ابو الشیخ بن حبان نے السدی الکبیر سے روایت کیا ہے کہ تمام فواتح السور اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔[3]

امام عبد الرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ 'الم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔'

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد اور زید بن اسلم سے بھی اسی قول کو روایت کیا ہے۔[4]

اس قول کی تائید خود حضور نبی اکرم ﷺ سے مروی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعا میں بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

أَسْأَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَکَ، أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي کِتَابِکَ، أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ

---

(۱) ۱۔ الثعلبي، الکشف والبيان عن تفسير القرآن، ۴: ۲۱۴
۲۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷
۳۔ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۱: ۵۷

(۲) ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۱: ۲۰

(۳) السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۱: ۵۷

(۴) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۷
۲۔ السمرقندي، بحر العلوم، ۱: ۴۷
۳۔ الرازي، التفسير الکبير، ۲: ۶
۴۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷
۵۔ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۱: ۵۷

www.MinhajBooks.com

عِنْدَکَ.(۱)

اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے توسل سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنی ذات کو موسوم فرمایا ہے، یا تو نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا تو نے اسے اپنی مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی سکھایا ہے، یا تو نے اسے اپنے پاس خزانۂ غیب میں راز کے طور پر چھپا رکھا ہے۔

اِس دعا میں ان تمام اسماء کی طرف لطیف اشارہ ہے جو باری تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے اور حضور نبی اکرم ﷺ پر اپنی صفات کے ساتھ متجلی فرمائے، ان کے علم کو عوام کے لیے خزانہ غیب میں چھپایا گیا اور اپنے محبوب ﷺ پر حروفِ مقطّعات کی شکل میں زبانِ اسرار کے ساتھ افشاء کیا گیا اور انہیں ان کی تعلیم فرمائی گئی۔

(۲) دوسرا قول

حروفِ مقطّعات اسماء الٰہیہ کی مفاتیح (keys) یعنی کنجیاں ہیں، گویا ہر حرف کسی نہ کسی اسمِ الٰہی کی کنجی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے 'کٓھٰیٰعٓصٓ' کے بارے میں مروی ہے: کٓ کافٍ کی کنجی ہے، ھ ھادٍ کی کنجی ہے، یٓ حکیم کی، عٓ علیم کی اور صٓ صادق کی۔ یہ سب اسماءِ الٰہی کی مختلف کنجیاں ہیں۔(۲)

اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ 'المص' کے حروف، اسم اللہ، اسم الملک اور اسم الصادق کی کنجیاں ہیں۔(۳)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۹۱، ۴۵۲، رقم: ۳۷۱۲، ۴۳۱۸
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۳: ۲۵۳، رقم: ۹۷۲
۳۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۴۰، رقم: ۲۹۳۱۸
۴۔ أبو یعلی، المسند، ۹: ۱۹۹، رقم: ۵۲۹۷

(۲) البغوي، معالم التنزیل، ۱: ۴۴

(۳) البغوي، معالم التنزیل، ۱: ۴۴

الربیع بن انس نے بیان کیا ہے: 'الٓمٓ' میں الف اسم 'اللہ' کی چابی ہے، لٓ اسم 'اللطیف' کی چابی ہے اورمٓ اسم 'المجید' کی چابی ہے۔[(۱)]

حافظ ابن کثیر نے ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے: 'الٓمٓ'، وہ حروف ہیں جن سے اسماء الٰہیہ کا افتتاح (beginning) ہوتا ہے۔[(۲)]

(۳) تیسرا قول

حروفِ مقطّعات صفاتِ باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر حرف کسی نہ کسی صفتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا بعض حروف اسماءِ ذات ہیں اور بعض اسماءِ صفات۔ یہ محمد بن کعب القرظی کا قول ہے۔ آپ نے فرمایا: الٓمٓ میں الفٓ آلاء اللہ پر دلالت کرتا ہے، لٓ اس کے لطف و کرم پر اورمٓ اس کے ملک و مجد پر دلالت کرتا ہے۔[(۳)]

جب کہ امام سلمی نے کہا کہ الفٓ وحدانیت پر دلالت کرتا ہے، لٓ اُلوہیت پر اورمٓ مہیمنیت پر۔[(۴)]

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: 'الٓمٓ' میں الفٓ اللہ کے احد، اول، آخر اور ازلی و ابدی ہونے کی طرف اشارہ ہے، لٓ اس کے لطف و عنایت کی طرف اورمٓ اس کے

---

(۱) ۱۔ البغوي، معالم التنزيل، ۱: ۴۴
۲۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۱۵۵
۳۔ السمرقندي، بحر العلوم، ۱: ۴۷
۴۔ السيوطي، الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ۱: ۵۷
۵۔ الشوكاني، فتح القدير، ۱: ۳۲

(۲) ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷

(۳) ۱۔ البغوي، معالم التنزيل، ۱: ۴۴
۲۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷

(۴) السلمي، حقائق التفسير، ۱: ۴۷

www.MinhajBooks.com

مَلِک، مجید اور منّان ہونے کی طرف اشارہ ہے۔(۱)

گویا ایک ایک حرف باری تعالیٰ کی کئی صفات پر دلالت کرتا ہے۔

(۴) چوتھا قول

یہ قرآن کے مختلف نام ہیں۔ محمد بن السائب الکلبی اور مجاہد کا قول ہے کہ 'یہ قرآنِ مجید کے اسماءِ مبارکہ ہیں'۔ قتادہ، ابوحذیفہ، موسیٰ بن مسعود اور ابن ابی نجیح سے بھی یہی مروی ہے۔(۲)

(۵) پانچواں قول

یہ قرآن مجید کی ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں یہ آئے ہیں۔ یہ مجاہد، زید بن اسلم اور ابن زید کا قول ہے۔(۳)

اکثر متکلمین اسی قول کے مؤید ہیں۔ الخلیل، سیبویہ اور القفال کی رائے بھی یہی ہے۔

(۶) چھٹا قول

حروفِ مقطّعات دراصل قَسمیں (oaths) ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کے

---

(۱) أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الکتاب، ۱: ۲۵۷

(۲) ۱۔ البغوي، معالم التنزیل، ۱: ۴۴

۲۔ ابن أبي حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۳

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۷

۴۔ أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الکتاب، ۱: ۲۵۷-۲۵۸

(۳) ۱۔ البغوي، معالم التنزیل، ۱: ۴۴

۲۔ ابن الجوزي، زاد المسیر، ۱: ۲۱

۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۷

۴۔ أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الکتاب، ۱: ۲۵۷-۲۵۸

www.MinhajBooks.com

شروع میں کھائی ہیں۔ اسے عکرمہ، عبد اللہ بن صالح اور علی بن ابی طلحہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ سے بیان کیا ہے جس کی روایت ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری نے کی ہے۔ اخفش نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ ان قسموں میں کسی خاص شرف و فضیلت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔(۱)

(۷) ساتواں قول

حروفِ مقطّعات میں سے ہر حرف معینہ سالوں اور مخصوص مدتوں کی طرف اشارہ ہے۔

یہ ابو العالیہ اور الربیع بن انس کا قول ہے جسے امام ابوجعفر الرازی نے روایت کیا ہے۔(۲)

(۸) آٹھواں قول

یہ قرآنی رموز کے بیان کا ایک اُسلوب ہے جو عربوں میں متداول اور معروف تھا اور

(۱) ۱۔ الطبري، جامع البیان في تفسیر القرآن، ۱: ۸۷
۲۔ البغوي، معالم التنزیل، ۱: ۴۴
۳۔ ابن أبي حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۳
۴۔ أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الکتاب، ۱: ۲۵۷-۲۵۸
۵۔ ابن الجوزي، زاد المسیر، ۱: ۲۰
۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۷

(۲) ۱۔ الطبري، جامع البیان في تفسیر القرآن، ۱: ۸۸
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۷
۳۔ أبو حیان الأندلسي، تفسیر البحر المحیط، ۱: ۱۵۷
۴۔ أبو حفص الحنبلي، اللباب في علوم الکتاب، ۱: ۲۵۹
۵۔ السیوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۹

www.MinhajBooks.com

وہ اس اُسلوب سے مکمل طور پر آشنا تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ ان حروف کا معنی و مراد، رمز و اشارہ اور مصداق و انطباق انہیں معلوم نہ تھا مگر وہ اُصولاً اس طرزِ کلام سے آگاہ تھے۔ وہ بعض اوقات حروف بول کر الفاظ مراد لیتے تھے اور ان کے ہاں ایسے حروف مستعمل تھے جو بعض الفاظ اور معانی پر دلالت کرتے تھے۔ الزجاج نے ’معانی القرآن‘ میں ولید بن عقبہ کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے:

قلنا لها: قفي، قالت: قاف
لا تحسبي أنا نسينا الإيجاف (۱)

یہاں حرف قاؔف سے ’أنا واقفة، أقف یا وقفت (میں رکتی ہوں یا رک گئی ہوں)‘ مراد لیا گیا ہے۔

اِسی طرح سیبویہ نے کہا ہے:

نادوهم أن ألجموا ألا تا
قالوا جميعًا كلهم ألا فا (۲)

---

(۱) ۱۔ الزجاج، معاني القرآن وإعرابه، ۱: ۶۲
۲۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۹۰
۳۔ ابن الجوزي، زاد المسير، ۱: ۲۱
۴۔ سمرقندي، بحر العلوم، ۱: ۴۶
۵۔ ابن عطية الأندلسي، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، ۱: ۸۲
۶۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۸
۷۔ الشنقيطي، أضواء البيان، ۲: ۱۶۶

(۲) ۱۔ الزجاج، معاني القرآن وإعرابه، ۱: ۶۲
۲۔ القرطبى، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۱۵۶
۳۔ ابن الجوزي، زاد المسير، ۱: ۲۱

www.MinhajBooks.com

یہاں تا سے ترکبون (تم سوار ہوتے ہو) مراد لیا گیا ہے اور فا سے فارکبوا (سوار ہو جاؤ) مراد لیا گیا ہے۔

اسی طرح کہا گیا ہے:

بالخیر خیرات وإن شرًّا فا
ولا أرید الشر إلا أن تا[1]

یہاں فا سے فالشر (پس شر ہے) مراد لیا گیا ہے اور تا سے تشاء (تو چاہتا ہے) مراد لیا گیا ہے۔

امام ابن جریر الطبر ی نے اس امر کی تائید میں یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

ما للظلیم عال کیف لا یا
ینقدُّ عنه جلده إذا یا[2]

یہاں پر پہلے یا سے إذا یفعل اور دوسرے یا سے من یفعل مراد لیا گیا ہے۔

عربوں میں زمانۂ قدیم سے یہ معمول بھی تھا کہ وہ استعمال کی بعض اشیاء، بعض جانوروں، اسلحہ اور بعض دیگر چیزوں کے نام بسا اوقات صرف ایک حرف کی صورت میں رکھتے تھے اور اس اسلوب کو سمجھتے بھی تھے۔ جیسے آج بھی دوست آپس میں ایک دوسرے کے لئے secret codes استعمال کرتے ہیں اور انہیں ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں سمجھ سکتا۔

اس قول کو الزجاج کے علاوہ قطرب، سیبویہ، اخفش اور ابن الانباری نے بھی اپنایا

(۱) ۱۔ القرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۱۵۵
۲۔ ابن الجوزي، زاد المسیر، ۱: ۲۱
۳۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۸

(۲) ۱۔ الطبري، جامع البیان في تفسیر القرآن، ۱: ۹۱
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۳۸

ہے۔ اسی وجہ سے وہ ان کے معانی و اسرار نہ سمجھنے کے باوجود عربیت یا اسلوبِ کلام کے لحاظ سے اعتراض نہ کر سکے۔ اس نکتہ پر بھی امام رازی، قرطبی، ابن جوزی، بیضاوی، زمخشری، ابو حفص الحنبلی اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے۔

القفال نے بیان کیا ہے کہ عرب بعض حروف (symbols) بول کر اشیاء مراد لیتے تھے۔ اس اسلوب کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

مثلاً حارثہ الطائی کے والد کو 'لام' سے تعبیر کرتے تھے اور اس کا نام بھی لام الطائی معروف ہو گیا تھا، اسی طرح النَّحاس کو 'صاد' سے تعبیر کرتے تھے۔ نقد کے لئے حرفِ 'عین' استعمال کرتے اور سحاب (بادل) کو 'غین' سے موسوم کرتے تھے۔ جبل (پہاڑ) کے لئے حرفِ 'قاف' اور حوت (مچھلی) کے لئے حرفِ 'نون' استعمال ہوتا تھا۔ الغرض وہ ان حروف واشارات کو سمجھتے بھی تھے اور اس اسلوب سے اچھی طرح شناسا بھی تھے۔[1]

(۹) نواں قول

حروفِ مقطّعات اِعجاز القرآن کی عظیم دلیل ہیں، انہیں مخالفینِ اسلام اور منکرینِ قرآن کے لیے چیلنج بنایا گیا۔ کفار و مشرکین جو قرآن کو منزل من اللہ تسلیم کرنے پر تیار نہ تھے اور رسالتِ محمدی پر معترض تھے، ان کے سامنے قرآن کی صداقت و حقانیت اور اس کے وحی الٰہی ہونے کی عظیم دلیل کے طور پر حروفِ مقطّعات لائے گئے اور بتایا گیا کہ یہی وہ حروف (letters) ہیں جن سے تم اپنا کلام تشکیل و ترتیب دیتے ہو اور انہی سے آیاتِ قرآنی بھی عبارت ہیں۔ اگر قرآن انسانی کلام ہے اور وحی الٰہی نہیں ہے تو تم بھی ان حروف کے ذریعے ایسا کلام وضع کر کے دکھا دو، صرف ایک مختصر سی سورت ہی بنا دو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو سوچو کہ حروف وہی ہیں جن سے الفاظ، جملے اور عبارات بنتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ایک اُمّی رسول ﷺ نے انسانیت کو اِنہی حروف سے عبارت ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں پر مشتمل پوری کتاب فراہم کر دی ہے اور تم عربی ادب و اسالیب کے خالق ہو کر بھی اس کی مثل ایک مختصر سی سورت مرتب

(۱) الرازي، التفسير الكبير، ۲: ۶

www.MinhajBooks.com

نہیں کر سکتے۔ کیا اب بھی گنجائش ہے کہ تم اس کلام کو معجزہ، کتاب کو منزّل من اللہ اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو رسولِ برحق نہ مانو۔

اِس رائے کو رازی، قرطبی، قاضی بیضاوی اور زمخشری نے اختیار کیا ہے اور قطرب اور الفراء نے بھی یہی استدلال کیا ہے۔ گویا حروفِ مقطّعات اعجازِ قرآن کے عظیم دلائل ہیں۔ اس لیے سورۂ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کی ابتداء ہی 'الٓمٓ' سے کی گئی اور اِس کے فوراً بعد '**ذلک الکتاب لا ریب فیه**' کے اعلان کے ذریعے اس کے کتابِ الٰہی ہونے پر ہر شک و شبہ کے امکان کو ردّ کر دیا گیا ہے۔[1]

(۱۰) دسواں قول

یہ حروف کلماتِ تنبیہ ہیں۔ بعض سورتوں کی ابتداء میں اس لیے آئے ہیں کہ سامعین اور قارئین خوب متوجہ ہوں اور اگلی بات پورے اِنہماک سے سنیں اور غور سے پڑھیں۔ قدیم عرب کے فصحاء و بلغاء بھی بعض اوقات اپنے خطبات میں ایسا کرتے تھے۔ یہ قطرب کا قول ہے۔[2]

(۱۱) گیارہواں قول

حروفِ مقطّعات مختلف مقامات پر حسبِ ضرورت مختلف معانی و مطالب پر دلالت کرتے ہیں۔ کہیں ان سے مراد اسماء و صفاتِ باری تعالیٰ ہیں، کہیں اسماءِ قرآن اور سُورِ قرآن

---

(۱) ۱۔ فخر الدين الرازي، التفسير الكبير، ۲:۷
۲۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱: ۱۵۵
۳۔ البيضاوي، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۱: ۹۵-۹۶
۴۔ الزمخشري، الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل، ۱: ۷۰
۵۔ الشوكاني، فتح القدير، ۱: ۲۹

(۲) ۱۔ البيضاوي، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۱:۸۹
۲۔ ابن عاشور، التحرير والتنوير، ۱:۲۱۵

ہیں، کہیں قَسمیں اور کہیں دیگر اہم مفاہیم ہیں۔ چنانچہ ان کی مراد کسی ایک قسم کی تعبیر کے ساتھ مقیّد نہیں ہے بلکہ اس میں جامعیت ہے۔ انہی تعبیرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسماء و صفاتِ محمدی ہیں۔ چنانچہ کئی حروفِ مقطّعات حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ اور القابِ عظیمہ ہیں اور بعض جگہ پر ان سے حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی کی قسمیں مراد لی گئی ہیں۔ طٰہٰ اور یٰس کی نسبت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: 'اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میرے دس نام خاص ہیں۔' ان میں طٰہٰ اور یٰس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔(۱)

امام ابو عبدالرحمٰن السلمی نے امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اُنہوں نے فرمایا:

﴿ياسين﴾ يا سيد، مخاطبا لنبيه ﷺ بذلک، قال النبي ﷺ: أنا سيدكم، لم يمدح نفسه، ولكن أخبر عن معنى مخاطبة الحق إيّاه بقوله.

قوله لأبي هريرة رضی اللہ عنہ: يا أبا هريرة، ...... إن الله تعالى ناداني سيدا فأنا سيد ولد آدم ولا فخر.(۲)

یٰسٓ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو 'یا سیّد' کے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ اِسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا: 'أنا سيّدكم (میں تمہارا سردار ہوں)'۔ یہ کلمات مدحِ نفس کے طور پر ارشاد نہیں فرمائے بلکہ اُمت کو مخاطبۂ حق کی خبر دی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی تصریحاً ارشاد فرمایا: **إنّ الله تعالىٰ ناداني سيّداً، فأنا سيّد ولد آدم ولا فخر.** 'بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے سیّد کے نام سے پکارا

---

(۱) ۱۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة دمشق، ۳: ۲۸
۲۔ أبونعيم، دلائل النبوة، ۱: ۶۱-۶۲
۳۔ السيوطي، الإتقان في علوم القرآن، ۳:۲۸
(۲) السلمی، حقائق التفسير، ۲: ۱۷۱

ہے، پس میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ بات بطورِ فخر نہیں کہتا۔‘

اِسی کی تائید امام ابوالقاسم القشیری نے کی ہے۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

یٰسٓ کا معنی ’یا محمد‘ ہے۔(۲)

حضرت کعب الاحبار اور امام محمد بن علی بن ابی طالب (محمد ابن الحنیفہ) جو کبار تابعین سے ہیں، بھی یٰسٓ کے معنی میں حضور ﷺ سے ہی خطاب روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: ’یٰسٓ‘ کا معنی ’یا محمد‘ ہے۔(۳)

یہی معنی الزجاج نے بھی کیا ہے۔(۴)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

هُوَ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ مُحَمَّدٍ ﷺ.(۵)

یہ حضور کے اسماء مبارکہ میں سے ایک نام ہے۔

عکرمہ، حسن البصری، ابو العالیہ اور مقاتل کے بیان کردہ معنی بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ امام ابن الجوزی نے محمد بن الحنفیہ اور الضحاک سے بھی اس کا معنی ’یا محمد‘ روایت کیا ہے۔(۶)

---

(۱) القشيري، لطائف الإشارات، ۳: ۲۱۱

(۲) ۱۔ قاضی عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ۴۳
۲۔ السيوطي، الدر المنثور، ۷: ۴۱

(۳) ۱۔ قاضی عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ۴۴
۲۔ السيوطي، الدر المنثور، ۷: ۴۱

(۴) قاضی عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ۴۴

(۵) القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵: ۴

(۶) ابن الجوزی، زاد المسير في علم التفسير، ۷: ۳

حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے بھی اس کی تائید مروی ہے۔

امام ابوبکر الورّاق نے اس کا معنیٰ 'یا سیّد البشر' کیا ہے۔(۱)

طٰہٰ کی تفسیر میں بھی امام ابن عطاء، امام واسطی، امام محمد بن علی الترمذی، امام سُلَمی اور امام قُشیری نے حضور ﷺ سے مخاطبہ مراد لیا ہے۔(۲)

امام واسطی نے فرمایا:

طٰہٰ کے دو حروف میں 'یا طاھر یا ھادي' کہہ کر حضور ﷺ کو پکارا گیا ہے۔(۳)

حضرت عبد اللہ بن عمرو ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ طٰہ کا معنیٰ 'یا حبیبی (اے میرے محبوب!)' ہے، یہ عربوں کی لغتِ عکّ میں مستعمل تھا جسے الغزنوی نے بیان کیا ہے اور قطرب نے کہا ہے کہ 'طٰہ' کا یہ معنیٰ 'اے میرے محبوب' لغتِ طیٔ میں استعمال ہوتا تھا۔(۴)

حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ، حسن بصری، عکرمہ، مجاہد، عطاء، قتادہ، سعید بن جبیر اور السدی الکبیر سے طٰہ کا جو معنیٰ مروی ہے وہ بھی حضور ﷺ سے ہی خطاب پر دلالت کرتا ہے۔ الضحاک کی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔(۵)

---

(۱) القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۵:۴

(۲) ۱۔ السلمي، حقائق التفسير، ۱: ۴۳۴

۲۔ القشيري، لطائف الإشارات، ۲: ۴۴۵

۳۔ قاضی عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفی/۸۳

(۳) ۱۔ السلمی، حقائق التفسير، ۱: ۴۳۴

۲۔ قاضی عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفی/۸۳

۳۔ بدر الدين العيني، عمدة القاري، ۱۹:۶۵

(۴) القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۱: ۱۶۶

(۵) ابن الجوزي، زاد المسير، ۵:۲۶۹

امام حاکم نے عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ 'طٰہٰ' کا خطاب اس طرح ہے جیسے 'یا محمد' کہا جائے۔[(۱)]

اسی طرح امام ابن عطاء نے قٓ سے مراد 'قلبِ محمدی ﷺ' کی قسم لی ہے۔[(۲)]

(۱۲) بارہواں قول

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے حروفِ مقطّعات کے باب میں اپنے شیخ کا قول نقل کیا ہے:

قال شيخي وإمامي قدسنا الله بسره السامي: أنه يظهر بنظر الكشف، القرآن كله كأنّه بحر ذخار للبركات الإلهية، ويظهر تلك الحروف في ذلک البحر كأنها عيون فوارات تفور، ويخرج منها البحر.[(۳)]

میرے شیخ اور امام - اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے رازِ سر بلند سے فیض یاب فرمائے - نے فرمایا: کشف کی نگاہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پورا قرآن برکاتِ الٰہیہ کا بحرِ ذخّار ہے اور حروفِ مقطّعات ان برکتوں کے اُبلتے ہوئے چشمے ہیں جن سے علوم کا سمندر رواں ہے۔

سو ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ حروفِ مقطّعات علومِ قرآن کی تفصیل کا اجمال ہیں۔

اس توجیہہ کی تائید حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ سے مروی اس حدیثِ نبوی ﷺ سے ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ۲: ۴۰۹، رقم: ۳۴۲۷

(۲) ۱۔ قاضی عیاض، الشفا بتعریف حقوق المصطفی/۲۷

۲۔ السلمي، حقائق التفسير، ۲: ۲۶۶

۳۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱۷: ۳

(۳) قاضي ثناء الله پاني پتي، تفسير المظهری، ۱: ۱۶

أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ. (١)

قرآن سات حروف یا قراءات پر نازل کیا گیا ہے، اس کی ہر آیت کا ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی ہے۔

امام ابو یعلی کی ایک روایت میں ہے:

وَإِنَّ الْقُرْآنَ نَزَلَ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، لِكُلِّ آيَةٍ مِنهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ. (٢)

بے شک قرآن سات حروف یا قراءات پر نازل ہوا ہے، اس کی ہر آیت کا ایک ظاہری معنی اور ایک باطنی معنی ہے، اور ہر حد کا ایک مطلع ہے۔

امام حسن البصری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ آيَةٌ إِلَّا لَهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَلِكُلِّ حَرْفٍ حَدٌّ، وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ. (٣)

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو بھی آیت نازل فرمائی ہے اس کا ایک ظاہری معنی ہے اور ایک باطنی معنی ہے، تلاوت کے لیے اس کے ہر حرف کی ایک حد ہے اور لوگوں کے

---

(١) ١۔ ابن حبان، الصحيح، ١:٢٧٦، رقم: ٧٥
٢۔ بزار، المسند، ٥:٤٤٢، رقم: ٢٠٨١
٣۔ أبو يعلى، المسند، ٩: ٢٧٨، رقم: ٥٤٠٣
٤۔ طبراني، المعجم الأوسط، ١:٢٣٦، رقم: ٧٧٣
٥۔ هيثمي، موارد الظمأن، ١:٤٤٠، رقم: ١٧٨١
(٢) أبو يعلى، المسند، ٩: ٨١-٨٢، رقم: ٥١٤٩
(٣) ١۔ بغوي، شرح السنة، ١:٢٦٢، رقم: ٢٢١
٢۔ عبد الرزاق، المصنف، ٣:٣٥٨، رقم: ٥٩٦٥
٣۔ هندي، كنز العمال، ١:٢٧٥، رقم: ٢٤٦١

فہم و معرفت کے لیے ہر حد کی ایک انتہاء یعنی آخری کنارہ ہے۔

اِسے امام عبد اللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی **کتاب الزھد**(۱) میں روایت کیا ہے۔

حکیم الترمذی **نوادر الأصول** میں عمر بن عبید سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: **ظهر وبطن** کا معنی کیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **سرٌّ وعلانيةٌ** (اس سے مراد آیاتِ قرآنی کے مخفی معانی اور ظاہری معانی ہیں)۔ اُنہوں نے پھر پوچھا: **المطلع** سے کیا مراد ہے؟ آپ نے جواب دیا: **منتهي ينتهي إليه** (اس سے مراد ظاہری معنی کی وہ آخر حد ہے جہاں انسانی علم کے ذریعے تعبیر و تاویل کا سفر ختم ہو جاتا ہے)۔ اس سے آگے علماء کا علم اور کسب کام نہیں آتا بلکہ فقط باری تعالیٰ کی عطا اور وہب سے سفر طے ہوتا ہے اور اسی سے اہل حق کو کشفِ معارف نصیب ہوتا ہے۔ اِسی کو آخری کنارہ کہتے ہیں۔

سو اب معلوم ہو گیا کہ آخری کنارہ کیا ہے، یہ لوگوں کے علم و فہم میں کسب کی حد اور انتہاء ہے۔ اس سے آگے فقط وھب و عطا ہے۔ سو محکمات کا علم معنیٰ ظاہر کا موضوع ہے اور متشابہات و مقطّعات کا علم معنیٰ باطن کا، اسی طرح محکمات کا علم تدبر، تفکر اور تفہم کی حد میں جنم لیتا ہے جبکہ متشابہات و مقطّعات کا علم مطلعِ قلب سے پھوٹتا ہے۔ اس کا ظہور مطلعِ عقل پر نہیں ہوتا بلکہ اس کا ورود ملاء اعلیٰ سے مطلعِ روح پر ہوتا ہے۔ اس کا قبول انشراحِ صدر کی صورت میں ہوتا ہے اور نورِ باطن کی شکل میں متمکن ہوتا ہے۔ درج ذیل آیت میں قرآنِ مجید کا روئے سخن اسی طرف ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ.(۲)

بھلا، اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہو تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر (فائز) ہو جاتا ہے۔

اِسی امر کی تصریح اس حدیث نبوی ﷺ سے ہوتی ہے، جسے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے

(۱) ابن مبارک، كتاب الزهد، ۲: ۲۳، رقم: ۹۳

(۲) الزمر، ۳۹: ۲۲

www.MinhajBooks.com

مرسلاً اور حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

العلم علمان: فعلم في القلب، فذلک العلم النافع، وعلم علی اللسان، فذلک حجة اللہ علی ابن آدم. (۱)

علم دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ علم جو دل میں ہوتا ہے اور وہ حقیقی معنوں میں نفع بخش علم ہے۔ دوسرا علم جو زبان پر ہوتا ہے (یعنی ظاہر کا علم) اور یہ علم بنی آدم پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔

اسے امام دارمی، ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن المبارک، خطیب بغدادی نے **ھشام عن الحسن عن جابر** ﷺ کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

سو اس باب میں آخری نکتہ یہ ہے کہ حروفِ مقطّعات کی معرفت 'قال' کا نہیں 'حال' کا موضوع ہے۔ اس لیے ان کی تعبیر کے لیے بھی اہلِ قال کے بجائے اہلِ حال اور اہلِ ظاہر کے بجائے اہلِ باطن کی رائے کو ترجیح دی جانی چاہیے۔ یہی قرآن و حدیث کی نصوص کا ماحصل ہے۔

الغرض حروفِ مقطّعات کی توجیہہ، تعبیر اور تاویل جو بھی ہو، پوری بحث سے چند اُمور واضح ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ قرآن مجید میں ان حروف کی صورت میں جو بھی معانی و مطالب، اسرار و معارف اور اشارات و پیغامات وحی کیے گئے، ان کے لیے کوئی نامانوس اور غیر مقبول اُسلوب

---

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ، ۱: ۱۱۴، رقم: ۳۶۴
۲۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۷: ۸۲، رقم: ۳۴۳۶۱
۳۔ ابن مبارک، الزھد، ۱: ۴۰۷، رقم: ۱۱۶۱
۴۔ الربیع، المسند، ۱: ۳۶۵، رقم: ۹۴۷
۵۔ خطیب بغدادي، تاریخ بغداد، ۴: ۳۴۶

نہیں اپنایا گیا، یہ اُسلوب مصر سے چین تک کے تمام زمانہ ہائے قدیم کی زبانوں میں موجود تھا اور آج بھی شرق تا غرب دنیا کی تمام زبانوں اور تمام علوم وفنون میں موجود اور متعارف ہے، یہ قرآنی اعجاز کی عجیب مثال ہے کہ حروفِ مقطّعات کا اسلوب نادر بھی ہے اور متداول بھی۔

دوسرا یہ کہ حروفِ مقطّعات اعجازِ قرآنی کے ساتھ ساتھ خصائصِ محمدی ﷺ کی امتیازی شان کے حامل بھی ہیں بلکہ حضور ﷺ کے اِس فرمان: ﴿بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ﴾[1] 'مجھے جامع کلمات کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔' کا معراجِ کمال ہیں کیونکہ یہ مختصر ترین کلمات ہیں جو محض حروف کی شکل میں ہیں اور ان میں عظیم معانی و معارف کے سمندر سمو دیے گئے ہیں۔

تیسرا یہ کہ حروفِ مقطّعات اللہ تعالیٰ اور رسولِ معظم ﷺ کے درمیان راز ہائے محبت و معرفت ہیں مگر ان کے علم کا حصہ بارگہِ نبوت کے فیضان سے ان خواص کو نصیب ہوتا ہے اور اُن مقربین پر منکشف کیا جاتا ہے جن پر نظرِ کرم کی خیرات ہوتی ہے۔ اس کی تصریح علامہ آلوسی نے یوں کی ہے:

فلا يعرفه بعد رسول الله ﷺ إلّا الأولياء الورثة، فهم يعرفونه من تلك الحضرة، وقد تنطق لهم الحروف عما فيها كما كانت تنطق لمن سبح بكفه ﷺ الحصى.[2]

حروفِ مقطّعات کا صحیح معنی سوائے حضور نبی اکرم ﷺ کے اور کوئی نہیں جانتا، مگر اولیاء کاملین کو ان کا علم بارگاہِ نبوت سے عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ فیضانِ نبوت کے ذریعے یہ حروف ان کے ساتھ اس طرح ہم کلام ہوتے ہیں جیسے خود حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي ﷺ: نصرت بالرعب مسيرة شهر، ۳: ۱۰۸۷، رقم: ۲۸۱۵

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، ۱: ۳۷۱، رقم: ۵۲۳

(۲) آلوسي، روح المعاني، ۱: ۱۰۰

صفات سے ہم کلام ہوتے تھے جن کی ہتھیلی میں کنکریاں بھی تسبیح باری تعالیٰ کرتی تھیں۔

مذکورہ بالا تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ حروفِ مقطّعات اپنے معانی و مطالب میں جامع ہیں، ان کے مفہوم و مراد کو صرف ایک قول یا کسی خاص نقطۂ نظر تک محدود نہیں کیا جاسکتا، ان کی تعبیر ہر جگہ موقع و محل کی مطابقت میں ہی موزوں اور مناسب ہو گی۔

www.MinhajBooks.com

بابِ دوم

الٓمّٓ کی تفسیر و تعبیر

www.MinhajBooks.com

حروفِ مقطّعات پر تفصیلی بحث گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔ اب ہم فقط الٓمّٓ کے معنی و مراد اور تعبیر و تاویل میں چند اقوال اور تحقیقات و اکتشافات درج کرتے ہیں جو اس باب میں بعض صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر سے مروی ہیں یا راقم الحروف کو بطور وھب و عطا نصیب ہوئے ہیں۔

الٓمّٓ کی تعبیر و تاْویل میں ائمہ تفسیر نے کئی اقوال بیان کئے ہیں۔ جن میں:

۱۔ پہلا قول

یہ قول حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ کا ہے، جسے امام ابن ابی حاتم اور ابن جریر طبری نے اپنی تفاسیر میں عبد الرحمٰن بن مہدی کے طریق سے روایت کیا ہے کہ امام شعبہ بیان کرتے ہیں، اُنہوں نے اسماعیل السُّدِی التابعی سے پوچھا: الٓمّٓ کا معنی کیا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا:

قال ابن عباس: هي اسم الله الأعظم. (۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ نے فرمایا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے۔

امام سیوطی نے 'الاتقان' میں اس معنی پر بیس (۲۰) اقوال نقل کئے ہیں۔ (۲)

۲۔ دوسرا قول

امام ابن جریر الطبری نے بطریق ابی صالح حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ سے اور

---

(۱) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۷

۲۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲، رقم: ۴۴

(۲) السيوطي، الإتقان في علوم القرآن، ۳: ۲۴

بطریق مُرہ الھمد انی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کیا ہے:

الٓمّٓ فهو حرف اشتقَّ من حروف هجاء اسماء الله جل ثناؤه. (۱)

الٓمّٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کے حروف ہجاء سے ہی اخذ کئے گئے حروف ہیں۔

حضرت ضحاک اور حضرت سعید بن جبیر سے بھی مروی ہے کہ الٓمّٓ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم مبارک ہے۔ اِسے امام ابن ابی حاتم نے بھی اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔ (۲)

۳۔ تیسرا قول

یہ قول مجاہد التابعی کا ہے جسے ابن ابی نجیح، ابن جریج اور سفیان الثوری نے روایت کیا ہے کہ 'الٓمّٓ' اُلوہی چابیوں میں سے ایک چابی ہے، جس کے ذریعے باری تعالیٰ اپنے علوم و معارف اور اسرار و رموز کا خزانہ کھولتا ہے۔ (۳)

'الٓمّٓ' کے فواتح القرآن ہونے کا قول حضرت مجاہدؒ کے علاوہ قتادہ اور زید بن اسلم سے بھی مروی ہے۔ امام ابن جریر، ابن ابی حاتم اور دیگر ائمہ تفسیر نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۴)

امام شعبی نے انہیں اسماءِ الٰہیہ میں شمار کرتے ہوئے 'فواتح السور (قرآنی سورتوں کی چابیاں)' قرار دیا ہے۔ (۵)

---

(۱) الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸

(۲) ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲، رقم: ۴۴، وأيضًا، ۲: ۵۸۳، رقم: ۳۱۱۶، وأيضًا، ۹: ۳۰۲۹، رقم: ۱۷۱۲۰

(۳) الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸

(۴) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۹
۲۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۳
۳۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۷

(۵) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۷

۴۔ چوتھا قول

الٓمّٓ قرآنِ مجید ہی کا ایک نام ہے جس سے سورۂ بقرہ کی ابتداء کی گئی ہے۔ یہ محمد بن السائب الکلبی، مجاہد، شعبی، قتادہ، ابن جریج اور السّدی الکبیر کا قول ہے۔ جسے امام عبد الرزاق، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔(۱)

اِس قول کی رو سے 'ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ' کا مرجع 'الٓمّٓ' بنتا ہے اور اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن، جس کا ایک نام 'الٓمّٓ' ہے۔ وہ کتاب ہے جس کے منزل من اللہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۵۔ پانچواں قول

پانچواں قول محمد بن کعب القرظی التابعی کا ہے جس کے مطابق 'ا' سے مراد آلاء اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات ہیں جن سے اس نے جمیع مخلوقات کو بالعموم اور انسان کو بالخصوص نوازا ہے۔ 'لام' سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور شفقت و عنایت ہے اور 'میم' سے مراد اس کا مجد، یعنی بزرگی، عظمت اور کبریائی ہے۔ یا 'میم' سے مراد 'ملک اللہ' ہے۔ جو اس کی مالکیت، مملکت اور ملکوت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ الزجّاج نے بھی اس قول کی تائید کی ہے۔(۲)

۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۳۷

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، تفسیر الصنعاني، ۱:۲۵۹

۲۔ ابن جریر الطبري، جامع البیان في تفسیر القرآن، ۱:۸۷

۳۔ ابن أبي حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۳۳

۴۔ الثعلبي، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، ۱:۱۳۹

۵۔ ابن الجوزي، زاد المسیر في علم التفسیر، ۱:۲۲

۶۔ القرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۱:۱۵۶

۷۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱:۳۷

(۲) ۱۔ البغوي، معالم التنزیل، ۱:۴۴

www.MinhajBooks.com

۶۔ چھٹا قول

راقم الحروف کے نزدیک اس معنی کا پہلی سورۂ قرآنی ’الفاتحۃ‘ کی ابتدائی آیات کے ساتھ بڑا گہرا ربط اور معنوی مناسبت و مطابقت ہے۔ وہ یہ کہ تینوں حروف (ا، ل، م) سورۂ فاتحہ کی پہلی تین آیات کے مضامین کا خلاصہ بلکہ رمز و اشارہ کے انداز میں ان ہی کا اجمال لگتے ہیں۔

’اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ‘ میں باری تعالیٰ کی شانِ ربوبیت کا بیان ہے۔ ربوبیت، پرورش سے عبارت ہے۔ ربوبیت اور کائنات کی ہر شے کی پرورش باری تعالیٰ کے انعامات اور احسانات ہی کا مظہر ہے۔ ان کے بغیر نہ کسی شے کا وجود میں آنا ممکن تھا، نہ اس کی بقاء ممکن ہے اور نہ ہی اس کی تکمیل و ارتقاء، یہی آلاء اللہ ہیں۔ سو حرفِ ’ا‘ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت کا اجمال اور شانِ ربوبیت کے انعامات کا رمز و اشارہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کی دوسری آیت ’اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ‘ میں باری تعالیٰ کی شانِ رحمت کا بیان ہے۔ ادھر حرفِ ’لام‘ اسی کے لطف و کرم اور شفقت و عنایت کا رمز و اشارہ ہے اور سورۂ فاتحہ کی تیسری آیت ’مٰلِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ‘ میں باری تعالیٰ کے مجد و عظمت اور کبریائی کا بیان ہے، ادھر حرفِ ’میم‘ اسی مجد و کبریائی کا رمز و اشارہ ہے۔ الغرض ’الٓمّٓ‘ اس معنی و مراد کی رُو سے ربط بین السُّوَر کا عظیم معنوی نمونہ بھی ہے اور صفاتِ الٰہیہ کا حسین اجمال بھی۔

۷۔ ساتواں قول

یہ قول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ جسے القرطبی اور امام ابن الجوزی سمیت بہت سے ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے اور ابن عادل الحنبلی نے اسے الضحاک التابعی سے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے مطابق حرف ’الف‘ لفظِ اللہ میں سے ماخوذ ہے۔ ’لام‘ لفظِ

۲۔ الزرقاني، مناهل العرفان في علوم القرآن، ۱:۱۶۲ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

۳۔ مناوي، الفتح السماوي، ۱:۱۲۴ (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

جبریل سے اور 'میم' لفظِ محمد ﷺ سے۔ اسے امام ابن وہب (م۳۰۸ھ) نے بھی اپنی تفسیر میں سندِ متصل کے ساتھ بطریقِ ابو صالح، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کتاب کا صدور بطورِ کلام اللہ ہوا ہے۔ اس کا نزول جبریل علیہ السلام کے ذریعے ہوا ہے اور اس کا ورود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہوا ہے، اس لئے اس کی وحی کے پہلے لفظ 'اِقْرَاْ' کا خطاب بھی براہِ راست حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے تھا۔(۱)

اگر مزید غور و فکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ باری تعالیٰ نے اپنے اور اپنے محبوب ﷺ کے ناموں سے پہلا حرف منتخب فرمایا ہے۔ اللہ سے 'الف' اور محمد ﷺ سے 'میم'، مگر جبریل علیہ السلام کے نام سے آخری حرف 'لام' منتخب کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ جبریل امین ہی چونکہ وہ برگزیدہ فرشتہ ہے جو وحی لے کر انبیاء و رسل علیہم السلام پر اُترتا تھا۔ اب وحیِٔ قرآنی کے ذکر میں ان کے نام کا آخری حرف لام، اس امر کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ یہ آخری وحی ربّانی ہے جو جبریل علیہ السلام لے کر اُترے ہیں، اس کے بعد یہ وحی لے کر کسی اور پر کبھی نہیں اُتریں گے۔ الغرض وہ سلسلۂ نزولِ وحی جو اللہ تعالیٰ نے بواسطۂ جبریل علیہ السلام انبیاء کرام و رُسلِ عظام پر شروع فرمایا تھا۔ اب بعثتِ محمدی ﷺ پر ختم کیا جا رہا ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی اور رسول آئے گا اور نہ کوئی وحی اُترے گی۔ سو اس کتاب کو من وعن بغیر کسی شک و شبہ کے قبول کر لو اور قیامت تک اسی سے ہدایت حاصل کرتے رہو۔ سو مراد یہ ہوا کہ یہی وہ آخری وحی اور کتاب ہے جو اللہ نے نازل فرمائی، جبریل علیہ السلام لے کر اُترے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے وصول کی۔

---

(۱) ۱۔ ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۱:۲۲
۲۔ الرازي، التفسير الكبير، ۲: ۶
۳۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱:۱۵۵
۴۔ أبو حيان الأندلسي، تفسير البحر المحيط، ۱:۱۵۷
۵۔ البيضاوي، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۱: ۹۰
۶۔ الشوكاني، فتح القدير، ۱: ۲۹

www.MinhajBooks.com

۸۔ آٹھواں قول

الٓمّٓ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے: 'أنا اللہ أعلم' (میں اللہ ہی اس حقیقت کو بخوبی جانتا ہوں) کہ نہ تو میری طرف سے اس برگزیدہ کتاب کے نزول میں کوئی نقص اور شک ہے اور نہ میرے محبوب ﷺ کے وصول میں کوئی نقص اور شک ہے۔ اس کی شہادت میں خود دے رہا ہوں جو اللہ ہوں، نازل فرمانے والا ہوں اور اپنے علم سے دے رہا ہوں کہ جو کچھ میں نے نازل فرمایا ہے میرے محبوب ﷺ نے من وعن وہی تمہیں پہنچا دیا ہے۔ 'أَنَا اللّٰہُ أَعْلَمُ' کا قول بھی حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا ہے جسے ابو الضحی اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ مزید برآں وکیع بن الجراح، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بھی اپنے اپنے طریق سے اس کی تخریج کی ہے۔ جسے بہت سے ائمہ تفسیر نے اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔(۱)

لغت عرب میں یہ اُسلوب معروف تھا کہ عرب لوگ بعض اوقات ایک حرف بول کر پورا لفظ مراد لیتے ہیں۔ اِس لیے وہ 'الف' سے أنا کا لفظ سمجھ گئے، 'لام' سے اللہ کا لفظ سمجھ گئے اور 'میم' سے 'أَعْلَمُ' کا لفظ سمجھ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب فصحاء نے اس طرزِ کلام پر کوئی تعجب اور انکار نہیں کیا۔

---

(۱) ۱۔ ابن جرير الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱:۸۸
۲۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱:۲۳، رقم: ۴۳
۳۔ السمرقندي، بحر العلوم، ۱:۴۶
۴۔ ابن الجوزي، زاد المسير، ۱:۲۲
۵۔ الرازي، التفسير الكبير، ۲:۶
۶۔ القرطبي، الجامع لأحكام القرآن، ۱:۱۵۵
۷۔ أبو حيان الأندلسي، تفسير البحر المحيط، ۱:۱۵۷
۸۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱:۳۷

www.MinhajBooks.com

۹۔ نواں قول

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بطریقِ عکرمہ یہ بھی مروی ہے کہ 'الٓمٓ' ایک قسم ہے[1] جو 'ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ' کے اعلان سے پہلے باری تعالیٰ نے خود اُٹھائی ہے اور اس کتاب کے ہر شک و شبہ سے بالاتر ہونے کی حقیقت کو تاکیداً بیان فرمایا ہے۔ اِس طرح صداقت و حقانیتِ قرآن پر حجتِ قاطعہ قائم فرما دی ہے۔ یہ لغت و اُسلوبِ عرب کے مطابق کلام میں تاکید پیدا کرنے کا معروف طریقہ تھا۔ سورۃ البقرہ ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورت تھی۔ اس میں کثرت کے ساتھ خطاب بھی اہلِ کتاب سے ہی ہونا تھا اور مدینہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ بھی بنیادی طور پر انہی اہلِ کتاب سے تھا۔ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ تھے جو وحی الٰہی کو بھی مانتے تھے، آسمانی کتاب کے نزول کے تصور کے بھی قائل تھے اور نبوّت و رسالت کا عقیدہ بھی رکھتے تھے۔ مگر ان کا عناد و عداوت اور حسد و بغاوت صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے متعلق تھا۔ اس کی وجہ بھی آپ کا بنی اسماعیل سے مبعوث ہونا تھا جبکہ وہ آخری وحی اور آخری نبوت و رسالت کا حقدار بھی بنی اسرائیل کو سمجھتے تھے اور بنی اسرائیل سے وہ خود تھے۔ اس لیے ان کی طرف سے اس انکار کا قوی امکان تھا کہ کتاب کا اُترنا تو حق ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جس آسمانی کتاب کو اُترنا تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتاری گئی ہے۔ سو باری تعالیٰ نے اس سورت کی ابتداء ہی قسم سے کی کہ اے اہلِ کتاب! تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی تہمت نہ لگانا، میں خود قسم اٹھاتا ہوں کہ یہی وہ 'عظیم کتاب' ہے جسے اُترنا تھا، وہی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اُتری ہے اس کے میری طرف سے نازل کیے جانے اور اس کے حق اور سچ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۳
۲۔ ابن جرير الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸
۳۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷
۴۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۷

۱۰۔ دسواں قول

الٓمّٓ کی ایک تعبیر یہ بھی کی گئی ہے کہ 'الف' اسم اللہ کی مفتاح یعنی چابی ہے، 'لام' باری تعالیٰ کے اسمِ لطیف کی اور 'میم' باری تعالیٰ کے اسم مجید کی (۱)۔ گویا ان حروف کے ذریعے بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اسماءِ مبارکہ کا اشارۃً ذکر کیا گیا ہے۔

اِس تعبیر کو ابن عجیبہ نے 'البحر المدید' میں یوں بیان کیا ہے: یہ حروف اسماء الٰہیہ کے مختصر اشارات ہیں، یعنی الف، اسم اللہ کی طرف اشارہ ہے، لام اسم لطیف کی طرف اور میم اسم مجید یا مھیمن کی طرف۔ (۲)

اِسی طرح حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ 'کٓھٰیٰعٓصٓ' میں اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کبیر یا الکافی (ک)، الہادی (ہ)، الولی (ی)، عزیز یا العالم (ع) اور صادق (ص) کی طرف اشارہ ہے۔ (۳)

اِسی اُصول پر دیگر حروف کی تعبیر پہلے حروفِ مقطعات کی عمومی بحث میں گزر چکی ہے۔ کچھ آگے اپنے اپنے مقام پر بھی آئیں گی۔

یہ قول ابو العالیہ، محمد بن کعب القرظی، الربیع بن انس، السدّی الکبیر اور عامر الشعبی سے

(۱) ۱۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۷
۲۔ الشوكاني، فتح القدير، ۱: ۳۲

(۲) ابن عجيبة، البحر المديد في تفسير القرآن المجيد، ۱: ۷۱

(۳) ۱۔ ابن الجوزي، زاد المسير في علم التفسير، ۵: ۲۰۵-۲۰۶
۲۔ الرازي، التفسير الكبير، ۲: ۶
۳۔ آلوسي، روح المعاني، ۱۶: ۵۷
۴۔ السيوطي، الدر المنثور، ۵: ۴۷۸
۵۔ السيوطي، الإتقان في علوم القرآن، ۳: ۲۲
۶۔ الشوكاني، فتح القدير، ۳: ۳۲۴

www.MinhajBooks.com

مروی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اس معنی کی تائید کرتے ہیں کہ الٓمّٓ، اسماءِ الٰہیہ کے حروف ہجاء میں سے مشتق ہیں[1]۔

۱۱۔ گیارہواں قول

امام قرطبی نے الٓمّٓ کی ایک اور تعبیر نقل کی ہے کہ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

ألف: أنزلتُ عليک هذا الکتاب،

لام: من اللوح،

ميم: المحفوظ.[2]

اے حبیبِ مکرم! میں نے یہ کتاب آپ پر لوحِ محفوظ سے نازل فرمائی ہے۔

سُو، اے جمیع مُخاطبین! جان لو کہ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کلام حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کی صورت میں تمام مخاطبین کو سنایا گیا ہے۔

اس معنی کو امام ابو عبد الرحمٰن السلمیؒ (۴۱۲ھ) نے بھی 'حقائق التفسیر' میں روایت کیا ہے۔[3]

(۱) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸
۲۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷
۳۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵٦
(۲) القرطبي، الجامع لأحکام القرآن، ۱: ۱۵٦
(۳) السلمي، حقائق التفسير، ۱: ۴۷

۱۲۔ بارہواں قول

امام ابن جریر الطبری نے امام ابوجعفر الرازی کے طریق سے الربیع بن اُنس ﷺ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ الٓمّٓ کا ہر حرف جہاں اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم کی کنجی ہے، وہاں ہر حرف اس کے انعامات اور امتحانات کا الگ الگ باب بھی ہے۔ اِسی طرح ہر حرف میں انبیاء ماسبق کی اُمتوں میں سے کسی نہ کسی قوم کے لیے خاص مدت کا اشارہ بھی ہوتا ہے، یعنی اس اُمت کو کس طرح کی نعمت سے کتنے عرصے کے لیے نوازا گیا، یا کتنے سالوں کے لیے اس پر امتحان اور آزمائش کو مقرر کیا گیا۔ الغرض یہ حروف جس سورت کی ابتداء میں وارد کئے جاتے ہیں، اس سورت میں ذکر کی گئی اقوام اور اُمم کے حوالے سے مختلف مدتوں، زمانوں اور سالوں کا اشارہ ان حروف کی صورت میں کر دیا جاتا ہے۔ الٓمّٓ چونکہ سورۃ البقرہ اور کئی دوسری سورتوں کی ابتداء میں آیا ہے، لہٰذا اس میں ان قوموں کے حوالے سے ان پر نازل کی گئی نعمتوں اور آزمائشوں کی مدت کا اشارہ کر دیا گیا ہے۔ یہ الٓمّٓ اور دیگر حروفِ مقطعات کی تاریخی اہمیت ہے، جس کا علم و ادراک انہی 'الراسخون في العلم' کو ہوتا ہے جنہیں باری تعالیٰ نے ان کی تاویل و معرفت سے نوازا ہے، چنانچہ ربیع بن انس التابعی نے الٓمّٓ کی شرح کرتے ہوئے یہ بھی بیان کیا ہے:

اَلف سے مراد ایک سال ہے۔

لام سے مراد تیس سال ہیں۔

اور میم سے مراد چالیس سال ہیں۔

اِس قول کو امام طبری کے علاوہ امام عبد بن حُمید نے بھی روایت کیا ہے، مزید برآں اس کا ذکر امام طبرانی، حافظ ابن کثیر، امام سیوطی اور علامہ شوکانی سمیت بہت سے ائمہ نے اپنی تفاسیر میں اسانید کے ساتھ کیا ہے۔ (۱)

(۱) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸

←

اسی معنی کو ابو العالیہ التابعی نے بھی بیان کیا ہے، جسے امام ابو محمد مکی نے 'تفسیر الهدایه' میں نقل کیا ہے۔(۱)

۱۳۔ تیرہواں قول

امام طبری نے اپنی تفسیر میں عامر الشعبی سے الٓمّٓ اور دیگر حروفِ مقطعات کی تفسیر کے تحت روایت کیا ہے:

هي اسمٌ مِن أسماء الله مُقطعة بالهجاء، فإذا وصلتها كانت اسمًا من أسماءِ الله.(۲)

یہ حقیقت میں اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے، جو حروف ہجاء کی صورت میں قطع کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ اگر آپ ان حروف کو باہم ملا دیں تو یہ اسماءِ الٰہی میں سے کوئی نہ کوئی اسم بن جائیں گے۔

اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، الٓمّٓ، حٰمٓ، اور نٓ و دیگر حروف سب اللہ تعالیٰ کے اسماء مقطعہ ہیں۔(۳)

.... ۲۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۳، رقم: ۴۹

۳۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۷

۴۔ ابن حيان الأندلسي، البحر المحيط، ۱: ۱۵۷

۵۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۹

۶۔ الشوكاني، فتح القدير، ۱: ۳۲

(۱) أبو محمد المكي، تفسير الهداية، ۱: ۱۲۱

(۲) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱۱: ۷۹

۲۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲، رقم: ۴۷

(۳) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱: ۸۸

۲۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱۱: ۷۹

۳۔ ابن أبي حاتم، تفسير القرآن العظيم، ۱: ۳۲، رقم: ۴۷

www.MinhajBooks.com

اس قول کو امام ابن جریر طبری، امام طبرانی اور دیگر ائمہ نے سعید بن جبیر التابعی کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہی قول سالم بن عبد اللہ سے بھی مروی ہے۔

امام ابن جریر اور دیگر ائمہ تفسیر لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک الٓمّٓ اور اس جیسے دیگر حروف مقطعہ میں سے بعض اسماء الٰہیہ پر دلالت کرتے ہیں، بعض افعالِ الٰہیہ پر اور بعض صفاتِ الٰہیہ پر۔ ان کے اسماء پر دلالت کرنے کی ایک مثال یوں ہے: (اٰلر)، (حم) اور (ن) کو باہم ملا دیا جائے تو 'الرحمٰن' بن جاتا ہے۔[1]

۱۴۔ چودہواں قول

امام ابو عبد الرحمٰن السلمی نے مزید روایت کیا ہے کہ 'الٓمّٓ' میں 'ا' **ألف الوحدانية** ہے۔ 'ل' **لام اللطف** ہے اور 'م' **میم الملک** ہے۔ اس میں اس اَمر کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اپنے علائقِ بشری اور اغراضِ نفسانی سے چھٹکارا حاصل کر کے میری حقیقتِ وحدانیت کو پا لیتا ہے، جس وحدانیت کا اشارہ حرف 'ا' کی صورت میں ہے، تو میں اس پر اپنا لطفِ خاص فرماتا ہوں، اس لطف کا اشارہ حرف 'ل' کی صورت ہے۔ پھر اس لطف کے ذریعے اسے عالم سفلی کی قید اور غلامی سے نکال کر الملاء الاعلیٰ میں یعنی فوق السمٰوٰت عرشِ الٰہی کی مملکتِ عالیہ میں مشغول کر دیتا ہے۔ پھر یہ نورانی اشتغال اسے مُلکِ اعلیٰ سے آگے لے جاکر خود '**مالک الملک**' سے اتصال عطا کر دیتا ہے[2]۔

'**مالک الملک**' سے اتصال کا اشارہ حرف 'م' کی صورت میں کیا گیا ہے۔ گویا 'الٓمّٓ' میں سیر اِلی اللہ کے طریق اور منہاج کا بیان ہے جو طالبانِ حق کو کتابِ اِلٰہی کی ابتداء ہی میں بتا دیا گیا ہے۔

---

(۱) ۱۔ الطبري، جامع البيان في تفسير القرآن، ۱۱: ۷۹

۲۔ السيوطي، الدر المنثور، ۱: ۵۷

(۲) السلمي، حقائق التفسير، ۱: ۴۶

۱۵۔ پندرہواں قول

اَئمہ معرفت نے 'الٓمّٓ' میں ایک اور معنوی اشارہ بھی روایت کیا ہے جس کا انطباق یوں ہے کہ الف کی صورت میں طریقِ حق کے مسافر کو حکم دیا جا رہا ہے 'أُفْرِدْ سِرَّک إليَّ (اپنے سرّ و باطن کو میری طرف کامل یکسوئی اور یکتائی کے ساتھ متوجہ اور متعلق کر لے)'۔ یہ 'إنفراد إلی الله' کا سبق ہے، لام میں یہ اشارہ ہے کہ 'لیِّن جوارِحَک لعبادتي (اپنے اعضاء و جوارحِ بدن کو میری عبادت کے لئے نرم، مطیع اور ہمہ وقت مستعد کر لے تاکہ ان میں میری طاعت کے لئے کوئی سرکشی اور انحراف باقی نہ رہے)' اور میم میں یہ اشارہ ہے کہ 'أقم معي بمحو رسومک وصفاتک، أزینک بصفاء الأنس والقرب منّي (اور میرے ساتھ یوں قائم ہو جا کہ تمہاری رسوم و تعلقات اور خواہشات و رجحانات سب کچھ میرے اُنس و محبت کی صفات میں اور میرے قرب کے اثرات میں محو اور فنا ہو جائیں اور تمہیں اپنے آپ سے فنا ہو کر میرے ساتھ بقاء نصیب ہو جائے)'۔

یہ قول امام ثعلبیؒ سے منقول ہے جسے امام ابنِ عجیبہ المالکی نے 'البحر المدید' میں روایت کیا ہے۔ اسی کو امام ابوعبد الرحمٰن السلمیؒ نے بھی 'حقائق التفسیر' میں بیان کیا ہے۔[1]

۱۶۔ سولھواں قول

امام ابن عجیبہ المالکی کی تفسیر[2] سے ایک اور معنی بھی معلوم ہوتا ہے کہ 'الٓمّٓ' حضور نبی اکرم ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ ﷺ سے براہِ راست مخاطبہَ الٰہی ہے، گویا یوں خطاب کیا جا رہا ہے:

ألم – 'أیّها الرسول المصطفیٰ ﷺ'۔

---

(۱) ۱۔ ابن عجیبة المالکي، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید، ۱: ۴۷

۲۔ السلمي، حقائق التفسیر، ۱: ۴۶

(۲) ابن عجیبة المالکي، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید، ۱: ۴۷

اِ: أیّھا کی طرف اشارہ ہے۔ (لغت میں بھی 'الف' ندا کے لیے آتا ہے۔ أزید، سے مراد 'یا زید' لیا جاتا ہے)۔

ل: الرسول کی طرف اشارہ ہے۔

م: المصطفٰی کی طرف اشارہ ہے۔

مرادِ مخاطبہ یہ ہے: 'اے میرے محبوب و منتخب رسول! یہ وہی کتاب ہے جس کا ہم نے آپ سے یوم میثاق میں وعدہ فرمایا تھا۔' اب اس کے آپ کی طرف اُتار دیے جانے میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۷۔ سترہواں قول

'الٓمّٓ' کا اشارہ کلامِ الٰہی کے صدور، نزول اور اِنزال کے مراتبِ ثلاثہ کی طرف بھی ہوسکتا ہے۔

'اِ' ذاتِ اُحدیت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو اس کتاب کے صدور کا منبع و مصدر ہے۔

'ل' عالمِ لاہوت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ جو لوحِ محفوظ کی جگہ بھی ہے اور نزولِ کتاب کا پہلا مقام بھی، یہی مقام علم الٰہی کا مرتبۂ عالیہ ہے۔

'م' عالمِ ملکوت کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے جو بیت العزّت کا مقام بھی ہے اور اِنزالِ کتاب کا مرتبہ بھی۔ کیونکہ یہاں پر یہ کتاب یک بارگی اُتاری گئی اور پھر اس مقام سے جبریل امین علیہ السلام کے ذریعے تنزیلِ کتاب کا تدریجی عمل شروع ہوا جو ۲۳ برس تک جاری رہا۔

ابن عجیبہ المالکیؒ نے 'البحر المدید' میں 'الٓمّٓ' کی تفسیر کے تحت اس معنی سے ملتی جلتی بات کی ہے، جس میں تین عوالم کا ذکر کیا ہے۔ عالمِ جبروت، عالمِ ملکوت اور عالمِ رحموت [۱]۔ گو معنوی اطلاق ان کا مختلف ہے، مگر راقم الحروف کی تفسیر کی اُصولی تائید ضرور ہو جاتی ہے۔

---

(۱) ابن عجیبة المالکي، البحر المدید في تفسیر القرآن المجید، ۱: ۷۲

www.MinhajBooks.com

۱۸۔ اٹھارہواں قول

’الٓمّٓ‘ میں ایک تجویدی اشارۂ معرفت بھی ہے۔ جو’ا‘ کو شانِ اُلوہیت کے تقدس اور تنزیہہ کا آئینہ دار بناتا ہے اس لئے کہ حروفِ ھجاء میں تمام حروف کا مخرج اور ادائیگی کا محل یا حلق ہوتا ہے، یا سینہ، یا زبان، یا لب، یا دانت سوائے ’ا‘ (Aa) کے۔ آپ ’با، تا، ثا، جیم، حا، خا، دال، ذال، را، زا، سین، شین، صاد، ضاد، طا، ظا، عین، غین، فا، قاف، کاف، لام، میم، نون، واؤ، ھا، ء، یا وغیرہ سب کی ادائیگی کر کے دیکھیں، کسی کا مخرج ومحل لب ہیں، کسی کا زبان، کسی کا دانت، کسی کا حلق اور کسی کا سینہ ہے۔ اب ’ا‘ (Aa) کی آواز نکالیے، اس میں نہ تو حلق کی حرکت ہوتی ہے، نہ زبان کی اور نہ لبوں کی۔ اسی طرح سینہ اور دانت سمیت سب مخارج لاتعلق اور ساکن رہتے ہیں۔ ’ا‘ (Aa) کی آواز کے صدور کے لئے کوئی محل یا مکان خاص نہیں ہے گویا یہ اپنے صدور اور ظہور میں ’لا مکانی‘ ہے۔

جب ’ا‘ (Aa) نہاں خانۂ بدن سے دہن میں جلوہ گر ہوتا ہے اور عالمِ حروف میں ظاہر ہونے لگتا ہے تو تمام اعیانِ ثابتہ یعنی جملہ مخارج ومحلّات، ساکت وصامت کھڑے رہتے ہیں، کوئی عضو دم نہیں مارتا، کوئی حرکت نہیں کرتا، حلق، زبان، دانت اور لب سب خاموش و ساکن ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ’ا‘ (Aa) جب آواز بن کر منہ سے نکلتا ہے تو اس سے اعضائے دہن کی حرکت بھی جنم نہیں لیتی اور نہ یہ خود ہی کسی محل اور مخرج سے جنم لیتا ہے۔

گویا یہ ’لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (اللہ نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ اس نے خود کسی سے جنم لیا ہے)‘ کی شانِ مظہریت کے ساتھ صادر ہوتا ہے۔ یہ اس کی شانِ ھُویّت کی عکاسی ہے۔ اہلِ لغت ونحو ا، واو اور ی کو حروفِ جوف گردانتے ہیں اور الخلیل نے انہیں حروفِ ھوائیہ کا نام بھی دیا ہے۔ سو ان اوصاف و علامات کے باعث حرفِ ’ا‘ ذاتِ اَحدیت اور حقیقتِ ھویّت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر وہ اپنی ہیئتِ مکتوبی میں بھی استقامت اور اِنتصاب کی علامت ہے۔ نہ اس میں کوئی جھکاؤ ہے، نہ گراوٹ، نہ کسی سے جوڑ ہے نہ ملاپ۔ گویا اس میں شانِ اَحدیّت کے ساتھ شانِ فردیت بھی ہے۔

اس کے بعد حرف 'لام' ہے اس سے مراد بارگاہ اَحدیت میں ایسی لیونت اور تذلّل ہے جس سے طبیعت میں نافرمانی اور عدم تعمیل کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے اور 'میم' اس کے ہر حکم اور منشاء و رضا کے ساتھ کلی موافقت اختیار کر لینے کا اشارہ ہے۔

گویا الٓمّٓ ایک پیغام ہے اور وہ یہ کہ بارگاہِ اَحدیت کے سامنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء ہمہ وقت تابع اور مطیع رہیں۔ ان میں تمرّد، انحراف، نافرمانی یا غفلت کا کوئی رجحان اور صلاحیت باقی نہ رہے بلکہ بندہ سراپا طاعت و بندگی بن جائے۔ یہی 'لیونت' ہے جسے 'لام' کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے اور مزید یہ کہ قلب و باطن کو باری تعالیٰ کے منشاء و رضا کے ساتھ موافقتِ کلی نصیب ہو جائے اسی کو 'میم' کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، یہی مقامِ تسلیم بھی ہے۔

سو الف، لام، میم کی شرائط پوری ہو جائیں تو قرآن، خود بندہ کے لئے ھادی، رہنما اور مرشد بن جاتا ہے اور بندہ فیضانِ اَحدیت سے خود پیکرِ ہدایت کا مرتبہ پاتا ہے۔ اسی وجہ سے انعام یافتہ بندگان کی راہ کو ہی 'صراط مستقیم' قرار دیا گیا ہے۔

۱۹۔ اُنیسواں قول

'الٓمّٓ' کا ایک معنی و مراد اور بھی ممکن ہے اور وہ یہ کہ 'ا' ذات و صفاتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہو، 'ل' افعالِ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہو، اور 'م' محمدیت کی طرف اشارہ ہو۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذاتِ حق، اوّل الوجود ہے اور بعد میں ہر مقام پر یا تو اسی کی صفات کا ظہور ہوا ہے یا اس کے افعال کا۔ پھر اس کائناتِ وجود میں ذاتِ الٰہی ہو، صفاتِ الٰہیہ ہوں یا افعالِ الٰہیہ، ان سب کی مظہریتِ تامّہ 'م' ہے اور یہ حقیقتِ محمدی ہے۔ اسی میں سب انوار محجوب ہیں اور یہی حقیقتِ محمدی ہی باری تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ جس سے ذاتِ الٰہی کے فیضان کا چشمہ بھی رواں ہے اور صفات و افعال الٰہیہ کے فیوضات کے چشمے بھی۔ ظاہر میں دائرۂ وجود، صورتِ محمدی پر ختم ہوتا ہے اور باطن میں معنیٔ وجود حقیقتِ محمدی پر ختم ہوتا ہے۔ اس لئے حقیقتِ خاتمیت کا تاج بھی آپ ﷺ ہی کو پہنایا گیا ہے۔ اس معنی و مراد کی بنیادی رہنمائی ہمیں شیخ اکبر محی الدین ابن

عربیؒ کے بیان سے ملتی ہے جس کی شرح و تفصیل راقم الحروف نے پیش کر دی ہے۔

۲۰۔ بیسواں قول

'الٓمٓ' میں ایک نحوی اشارۂ معرفت بھی ہے وہ یہ کہ حروفِ ھجاء کی صدارت 'الف' کو حاصل ہے اور اہلِ علم و اعتبار اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ 'ا' اپنی ذات میں ہمیشہ ساکن رہتا ہے۔ اس پر ضمہ، فتحہ اور کسرہ (پیش، زبر اور زیر) کا کوئی اعراب نہیں آتا۔ باقی سب حروف پر حرکت آتی ہے علمِ لغت و نحو میں 'الف' کی پچیس (۲۵) اقسام ہیں۔ جہاں بھی 'الف' بطور 'الف' آیا ہے وہ خود ساکن ہی رہا ہے۔ مثلاً الفِ فاصلہ، الفِ مجھولہ، الفِ جمع، الفِ صلہ، الفِ نُدبہ، الفِ استنکار، الف تأنیث، الف ترخیم، الف المدّات، الفِ محوّلہ، الف تثنیہ، الف تعریف وغیرھا۔ ان سب میں 'الف' بطور 'ا' ہی رہا ہے اس پر 'ہمزہ (ء)' نہیں آیا اس لئے اس پر کوئی حرکت بھی نہیں آئی یہ ہر جگہ ساکن رہا ہے۔ اس کے برعکس جہاں بھی حرکت آئی ہے وہاں درحقیقت 'الف' ہمزہ (ء) میں بدل گیا ہے، 'الف' نہیں رہا اور اعراب 'ء' پر ہی آیا ہے 'الف' پر نہیں، مثلاً الف اصلیہ، قطعیہ، وصلیہ، استفہام، تقریر، توبیخ، تکلّم، تفضیل، تصغیر اور ندا وغیرھا۔ یہ بھی 'الف' کی اقسام ہیں جن میں اعراب آتا ہے مگر اہلِ علم جانتے ہیں کہ وہ اعراب فی الحقیقت 'ء' پر وارد ہوتا ہے، 'الف' پر نہیں۔ 'الف' جہاں بھی ہے ساکن ہے، اسے اگر حرکت میں آنا ہو تو بصورتِ 'ء' متحرک ہوتا ہے۔

اسی لئے ائمہِ لغت اور علم الحروف کے ماہرین نے 'الف' کی دو بنیادی اقسام بیان کی ہیں۔ لیّنہ اور متحرکہ، لیّنہ کو 'الف' کہتے ہیں جو ساکن رہتا ہے اور متحرّکہ جس پر اعراب آتا ہے اسے 'ء (ہمزہ)' کہتے ہیں۔

ابن ہشام نے بھی حرفِ الف کے باب میں تصریح کی ہے:

الممتنع الابتداء به، لكونه لا يقبل الحركة.

اس سے کلام کی ابتداء نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ حرکت کو قبول نہیں کرتا۔

گویا یہ ہر وقت حالتِ سکون میں رہتا ہے۔ اگر حرکت آ جائے تو یہ 'الف' ہی نہیں رہتا۔ اسے 'ہمزہ' کا نام دے دیا جاتا ہے۔

الخلیل، الزجّاج، اللیث، سیبویہ، اخفش، الفراء، ابو العباس، ابو حاتم، ابو اسحاق، ابن الأنباری، المبرّد، ابن الاعرابی، ابن عقیل، ابن ہشام، ابن منظور، ابو نصر الفارابی اور ابو منصور الازھری سمیت جملہ ائمہِ نحو ولغّت کی تحقیقات ان اُمور کی تصدیق کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے ائمہِ لغت 'ہمزہ' کو اکثر و بیشتر حروفِ ھجاء میں مستقل مقام اورعنوان ہی نہیں دیتے۔ اسے الف، واو اور یا کے ابواب میں بیان کر دیا جاتا ہے کیونکہ یہ انہی کے بدل میں آتا ہے۔[1]

'الف' کی جملہ اقسام اور ان سے متعلق تفصیلی بحث کا مقصد صرف یہی نکتہ واضح کرنا تھا کہ 'ا' کا ہر حال میں ساکن رہنا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ 'الف' ہی منبعِ سکون ہے اورسکون بارگاہِ اُلوہیت ہی کا فیض ہے اور 'ا' اسی سے استعارہ ہے۔

(ا) حرفِ لام کی حقیقت

اب حرفِ 'لام' کی حقیقت سمجھیے۔ علم النحو کی رُو سے 'لام' کی بھی کئی اقسام ہیں۔

مثلاً لامِ استحقاق، لام اختصاص، لامِ ملک، لام تملیک، لام کَی، لام تعلیل، لام اَمر، لام توکید، لام استغاثہ، لام تعجب، لام قسم، لام تعقیب، لام موافقہ، لام تبلیغ، لام تعریف، لام عاقبہ، لام تعدیہ، لام تبیین، لام اِذن وطلب، لام ظرفیہ، لام سببیت، لامِ زائدہ وغیرھا۔

اگر جملہ اقسامِ 'لام' کی مثالوں پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے کہ 'لام' کی ہر قسم میں ایک معنی کسی نہ کسی شکل میں بہرطور موجود ہے اور وہ 'تعلق و اتصال' ہے۔ حرفِ 'لام' کسی جگہ بھی 'تعلق اور اتّصال' کے معنی ومفہوم سے خالی نہیں ہے۔ خواہ اس کی شکل اور معنوی ہیئت کوئی بھی ہو۔ اس لئے 'لام' کی تعریف میں بھی یہی کہا گیا ہے: 'الّتی توصل بها

(۱) ۱۔ ابن منظور الأفريقي، لسان العرب، ۱۵: ۴۲۶-۴۳۰
۲۔ مرتضی الزبیدي، تاج العروس ۴۰: ۳۵۹-۳۶۴

الأسماء والأفعال' یعنی یہ وہ حرف ہے جس کے ذریعے اسماء اور افعال میں وصل پیدا کیا جاتا ہے۔[(۱)]

اسی وجہ سے راقم الحروف کے خیال میں 'لام' کا اشارہ تعلق و اتصال اور وصل و وصال کی طرف ہے، جبکہ 'الف' کا اشارہ سکون و اطمینان کی طرف ہے۔

(۲) حرفِ میم کی حقیقت

اب حرفِ 'میم' کی طرف توجہ کیجئے۔ سو 'میم' کا اشارہ ذاتِ محمدی کی طرف ہے۔ گویا 'الٓمّٓ' کا اشاری معنی اور نحوی و لغوی مراد یہ ہے کہ اطمینان و سکون کی دولت جو خالصتاً بارگاہِ اُلوہیت کی خیرات ہے، صرف ذاتِ محمد مصطفیٰ ﷺ سے کامل تعلق و اتصال پیدا کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔ اس تعلق کے بغیر روحانی اطمینان اور قلبی سکون کہیں سے بھی میسر نہیں آ سکتا اور یہ کتاب (قرآنِ مجید) تمہیں اسی بارگاہِ عالی سے 'الٓمّٓ' کے ذریعے تعلق و اتصال پیدا کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتی ہے۔

اس تعبیر کی تائید و توثیق عظیم تابعی حضرت مجاہد بن جبیر (م۱۰۲ھ) کے قول سے بھی ہوتی ہے، جسے امام ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم رازی نے روایت کیا ہے اور اسے قاضی عیاض نے 'الشفا' میں درج کیا ہے۔ مجاہد بن جبیر سے پوچھا گیا اس آیت کریمہ '**اَلاَ بِذِکْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**'[(۲)] میں اللہ کے ذکر سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے جوابًا فرمایا: ذاتِ محمدی ﷺ ذکرِ الٰہی ہے، جس سے دلوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ اس قول کی تخریج امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی '**مناهل الصفاء**' میں کی ہے۔[(۳)]

ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم حضرت مجاہد ﷺ سے روایت

---

(۱) أبو منصور الأزهري، تهذيب اللغة، ۱۵: ۲۹۳-۲۹۸

(۲) الرعد، ۲۸:۱۳

(۳) ۱۔ قاضي عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى: ۶۵

۲۔ السيوطي، مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفا: ۳۳

کرتے ہیں کہ آپ نے اس آیت ’اَلاَ بِذِکْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ‘ کی تفسیر میں فرمایا: محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر سے دل کو سکون ملتا ہے۔ (۱)

۲۱۔ اکیسواں قول

’الٓمٓ‘ میں علم الحروف اور علم الاعداد کے اعتبار سے بھی ایک معنوی اشارہ پایا جاتا ہے، وہ یہ کہ ’ا‘ جملہ حروفِ ھجاء کا نقشِ اوّل ہے۔ یہ اپنے وجود میں الگ رہتا ہے، کسی میں ضم اور گم نہیں ہوتا۔ مگر اس کی حقیقت ہر حرف میں بھی شامل ہے، کسی حرف کی آواز اس سے خالی نہیں۔ خواہ وہ بصورت ’ا‘ ہو بصورت ’واؤ‘ ہو یا بصورت ’یاء‘ مثلاً لام کے وسط میں ’الف‘ ہے، ’میم‘ کے وسط میں ’یا‘ ہے اور ’نون‘ کے وسط میں ’واؤ‘ ہے۔ یہ سب ’ا‘ ہی کی مختلف شانیں ہیں۔

الغرض با، تا، ثا، سے لے کر ھا اور یا تک ہر حرف کی کتابت آواز اور تلفظ پر غور کریں تو ہر ایک میں ’الف‘ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے، کسی بھی حرف کی مکتوبی یا صوتی ادائیگی اس سے خالی نہیں ہے۔ چونکہ ’ا‘ کو اشاری مظہریت کی نسبت وتعلق ذاتِ الوہیت سے حاصل ہے اس لئے اس کی جلوہ گری بھی تمام حروف میں ہے۔ جیسا کہ حسنِ مطلق کا جلوہ ہر سمت و ہر جا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ. (۲)

تم جس سمت بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرۂ حسنِ قدرت پاؤ گے۔

اسی طرح جس بھی حرف کی ساخت و آواز پر دھیان کرو اس میں ’ا‘ کا وجود سنائی دے گا۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا:

ما رأیتُ شیئًا إلّا رأیتُ الله قبله.

---

(۱) ۱۔ ابن عبد البر، الاستیعاب، ۱: ۶۱
۲۔ الشوکاني، فتح القدیر، ۳: ۸۲

(۲) البقرة، ۲: ۱۱۵

میں نے جس کو بھی دیکھا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے پہلے دیکھا ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما رأیتُ شیئًا إلّا رأیتُ اللّٰہ معه.

میں نے جس شے کو بھی دیکھا ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے ساتھ دیکھا ہے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما رأیتُ شیئاً إلّا رأیتُ اللّٰہ بعدهٗ.

میں نے جس شے کو بھی دیکھا ہے اسی کے آخر میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

اور غالبًا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما رأیتُ شیئًا إلّا رأیتُ اللّٰہ فیه.

میں نے جس شے کو بھی دیکھا ہے اللہ تعالیٰ کو اسی کے اندر دیکھا ہے۔

ان اقوال کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے 'کتاب **الأعلام بإشارات أهل الإلهام** (ص:۲-۳)' میں درج فرمایا ہے۔ اسی طرح کسی عارف نے فرمایا ہے:

منذ رأیتهٗ لم أَرَ غیرَهٗ.

میں نے جب سے اسے دیکھا ہے تب سے میری آنکھ نے کسی غیر کو نہیں دیکھا۔

الغرض یہ سب اقوال اسی حقیقت کی تشریح ہیں کہ ہر جگہ، ہر سمت اور ہر شے میں حسنِ وحدت کی جلوہ گری ہے۔ اس کی عکاسی ہمیں عالمِ حروف کے بھی ہر وجود میں کسی نہ کسی شان کے ساتھ 'ا' کی جلوہ گری دکھائی دیتی ہے۔ اس کی یہی شان علم الاعداد کی دنیا میں بھی ہے۔ علم الاعداد میں یہی 'ا' ایک (ا) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں بھی اسے جملہ اعداد کی صدارت حاصل ہے۔ گویا جو شانِ جلوہ گری و صدارت اَلفِ حرفی کو حاصل ہے وہی اَلفِ عددی کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ جملہ اَعداد کی ابتداء بھی اسی سے ہوتی ہے اور تمام اعداد کی تخلیق و

تشکیل بھی اسی کے فیض سے ہوتی ہے۔ جب تک وہ ایک (۱) اپنی وحدتِ ذاتی کے ساتھ ظاہر تھا تو صرف ایک ہی تھا، پھر اس نے ایک اور ساتھ ملایا تو دو (۲) بن گئے، دو کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ایک اور ایک ملے تو دو ہوئے۔ پھر دو (۲) پر وہی ایک زیادہ ہوا تو تین (۳) بن گئے، پھر تین (۳) پر وہی ایک زیادہ ہوا تو چار (۴) بن گئے۔

الغرض اسی ایک (۱) کا جلوہ بار بار ہوتا گیا تو عدد بنتے گئے، نو (۹) کے بعد اسی ایک نے اپنے ساتھ صفر (0) کو ملا لیا۔ صفر محض ایک اعتباری وجود تھا۔ مگر ایک (۱) کے ساتھ ملنے سے حقیقی عدد بن گیا جسے دس (۱۰) کا نام ملا۔ اب ہر صفر کو معرفت ہو گئی کہ ایک (۱) سے مل جائیں تو صفر نہ رہیں گی بلکہ حقیقی عدد میں بدل جائیں گی۔ سو دوسری صفر ساتھ آ کر مل گئی تو سو (۱۰۰) بن گیا، تیسری صفر ساتھ آ کر ملی تو ہزار (۱,۰۰۰) بن گیا، الغرض صفریں اسی ایک (۱) کے ساتھ ملتی گئیں اور ان کی قیمت بنتی گئی۔ اب لاکھوں، کروڑوں، اربوں اور کھربوں کے عدد میں بھی اصل جلوہ صرف اسی ایک (۱) کا ہے، اسے ہٹا دیں تو ارب اور کھرب بھی لمحہ بھر میں صفر رہ جائیں اور اسے ساتھ لگا دیں تو صفریں ارب و کھرب بن جائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ جلوہ گری اسی الف کی ہے خواہ اسے 'ا' لکھا جائے یا ایک (۱) لکھا جائے۔

چنانچہ 'الٓمٓ' میں 'الف' بھی اسی حسنِ مطلق کے ہر سو بکھرے ہوئے جلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن میں ہر سو اسی حسنِ ربوبیت کی جلوہ گری مذکور ہے۔

'الف' کے بعد حرفِ 'لام' آتا ہے، حرفِ لام کی مختلف معنوی دلالتوں میں سے ایک دلالت 'انتہاے غایت' بھی ہے۔ اس دلالت میں کسی سفر یا حرکت کی آخری اور انتہائی منزل کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے ارشاد فرمایا گیا:

كُلٌّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى. (۱)

ہر ایک (ستارہ اور سیّارہ) مقرّر وقت کی حد تک (اپنے مدار میں) چلتا ہے۔

(۱) الزمر، ۳۹: ۵

یعنی سب اپنا سفر، حرکت یا گردش ایک مقررہ مدت کے آخری اور انتہائی کنارے تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جب اس مقررہ مدّت کی آخری منزل اور انتہائی حد آ جائے گی تو سب کی حرکت و گردش وہیں رک جائے گی۔ گویا 'لام' کا استعمال اشارۂ انتہاء کے لئے ہوتا ہے، اسے ابن مالک نے اوضح المسالک اور ابن عقیل نے شرح ابن عقیل میں بیان کیا ہے۔

اب مفہوم یہ ہوا کہ 'ا' حسنِ وحدت کے ہر سو بکھرے ہوئے جلووں کی بات کر رہا ہے کہ ہر نقش اور ہر وجود میں حسن اور جلوہ اسی وحدتِ مطلقہ کا ہے جس نے اپنی توجہ اور فیضِ کن سے ہر اعتباری نقش کو خارج میں موجود کر دیا ہے اور اپنے حسنِ ربوبیت کے فیض سے ہر ایک کو خوبصورت و خوب سیرت بنا دیا ہے۔ پھر اس نے 'لام' کی صورت میں ارادہ کیا کہ اپنے حسن و جلوہ کے ظہور کے سفر کو انتہائے کمال تک پہنچا دے تاکہ حسنِ وحدت اپنی آخری، انتہائی اور خاتمی حالت میں بھی ظاہر ہو تو اس نے بشکل 'میم' صورتِ محمدیت ﷺ کو وجود اور ظہور بخشا۔ سو 'الٓمٓ' کا اشاری معنی یہ ہے کہ 'اللہ تعالیٰ کے حسنِ مطلق کو اپنے ظہور کی آخری حد، مکمل شان اور انتہائی منزل پر دیکھنا ہو تو وہ ''ذاتِ محمد ﷺ'' ہے۔'

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ

حق تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے اور اس کا نظامِ ربوبیت کائنات کے ہر ہر وجود کو اپنی انتہائی سادہ اور پست ترین حالت سے اٹھا کر درجہ بدرجہ منتہائے کمال تک پہنچا رہا ہے۔ اس نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں چنانچہ اس نے امرِ کُن سے کائنات کی وسعتوں کو تخلیق کر دیا جس میں مختلف عوالم پیدا کیے۔ آسمان تخلیق کیے، ان کو بلندیاں عطا کیں۔ طبقات بنائے، انہیں وسعتیں بخشیں۔ سمندر بنائے، انہیں تموج عطا کیا۔ پہاڑ بنائے، انہیں جلال سے نوازا۔ غرضیکہ شجر وحجر، جمادات، نباتات اور موجودات و حیوانات کو وجود عطا کیا اور ہر ہر شے میں اپنی صفات و کمالات اور حُسن کے کسی نہ کسی پہلو کا عکس اُتار دیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ. (۱)

(۱) حم السجدہ، ۴۱: ۵۳

ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دِکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔

سو رب العزّت نے کائناتِ پست و بالا میں ہر سو اپنے حسن کے جلوے بکھیر دیئے اور کائنات کے ہر ذرے کو اپنے حسنِ لازوال کا مظہر بنا دیا۔ ہر سو اس کی صفاتِ مطلقہ کی جلوہ گری ہوئی اور ہر جانب اُس کے جمال جہاں آرا کے جلوے منتشر ہو گئے۔ اب اس ذات بے ہمتا نے چاہا کہ کوئی ایسا پیکر بھی تخلیق کیا جائے جس میں تمام جلوے یکجا ہوں۔ کسی ایسی ہستی کو خلعتِ وجود عطا کی جائے جس میں حسن اُلوہیت کے تمام جلوے مجتمع ہوں، چنانچہ اس ارادۂ اُلوہیت کی تکمیل میں کارخانہ کائنات میں انسان کو خلعتِ وجود عطا ہوئی۔

ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍo(۱)

بیشک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہےo

گویا انسان کی تخلیق اس انداز سے عمل میں آئی کہ یہ تمام عوالم کائنات کے جملہ مظاہر حسن کا خلاصہ ٹھہرا۔ انسان کے اندر ملائکہ کی حقیقت بھی رکھ دی گئی اور حیوانات کی حقیقت بھی۔ اسے جمادات کی حقیقت بھی عطا کر دی گئی اور نباتات کی حقیقت بھی۔ انسان کو رب العزّت نے اپنے قہر و غضب کی مظہریت بھی عطا کی اور رافت و محبت کی آئینہ داری بھی۔ غرضیکہ اسے عالم پست و بالا کے جملہ محامد و محاسن کا مرقع بنا کر منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا گیا۔

اعجازِ ربوبیت کے جملہ مظاہر جب حضرت انسان میں مجتمع ہو چکے تو مشیتِ ایزدی نے چاہا کہ اب عالمِ انفس میں کسی ایسے پیکر کو خلعتِ وجود عطا کی جائے جس میں تمام اوصاف و کمالاتِ انسانیت اور حُسنِ اُلوہیت کے تمام جلوے اپنے پورے نکھار اور کامل شانِ مظہریت کے ساتھ جلوہ گر ہوں، چنانچہ اس ارادۂ ایزدی کی تکمیل میں خلاق عالم نے پیکر نبوت کو وجود بخشا۔

(۱) التین، ۹۵: ۴

حُسنِ اُلوہیت کے تمام جلوے جو پیکرِ انسانیت میں موجود تھے، حُسنِ ربوبیت کی تمام جلوہ آرائیاں جو مختلف طبقاتِ انسانی میں منتشر تھیں، وجودِ نبوت میں مجتمع کر دی گئیں اور اسی طرح مظاہرِ حُسنِ اُلوہیت کی امین بن کر کائناتِ نبوت معرضِ وجود میں آ گئی اور حُسن و جمالِ نبوت کی مختلف شانیں حاملانِ نبوت میں درجہ بدرجہ تقسیم ہونے لگیں۔ ہر ہر پیکرِ نبوت جداگانہ شانِ مظہریت کے ساتھ حُسنِ اُلوہیت کی جلوہ گاہ بنا اور کائناتِ نبوت جملہ مظاہر ربوبیت کی امین ٹھہری۔ پھر تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے مصداق پیکرانِ نبوت کو ایک دوسرے پر کسی خاص تجلّیِ حُسن کے حوالے سے فضیلت عطا ہوئی۔ کوئی کسی کمال میں یکتا ہوا تو کوئی کسی اعتبار سے ممتاز بنا دیا گیا۔ الغرض کائناتِ نبوت جملہ محاسنِ ربوبیت اور کمالاتِ اُلوہیت کی جلوہ گاہ بن گئی۔

اب رب العالمین کے اعجازِ ربوبیت کا تقاضا ٹھہرا کہ کوئی ایسا پیکرِ نبوت بھی منصۂ شہود پر آئے جس میں تمام تر حُسنِ کائناتِ نبوت مجتمع ہو، جو حُسنِ اُلوہیت کا مظہرِ اتم بھی ہو اور تمام محاسنِ نبوت کا خلاصہ و مرقع بھی ہو۔ نہ صرف مرقعِ محاسنِ نبوت ہو بلکہ جملہ حاملانِ نبوت کو جو مختلف فضیلتیں اور اوصاف و کمالات حاصل ہیں۔ اس پیکرِ دلربا میں اپنے نقطہ کمال کو پہنچے ہوئے ہوں، چنانچہ جب مشیتِ ایزدی کو یہ منظور ہوا کہ حُسنِ کائناتِ نبوت اپنے اتمام کو پہنچے تو اس ذاتِ محمدی ﷺ کو ظہور عطا فرما دیا۔ الغرض رب ذوالجلال کا حُسن بکھرا تو کائنات وجود میں آ گئی اور سمٹا تو وجودِ محمدی ﷺ سے تعبیر کیا گیا۔ یہ سارا راز 'الٓمٓ' کے تین حروف میں سمو دیا گیا ہے۔

۲۲۔ بائیسواں قول

'الٓمٓ' کے معنی و مراد کی ایک اشاری جہت علم المعانی اور علم البلاغت کے اعتبار سے بھی ہے۔ جس طرح ہم نے (ا، لام، میم) کے خواص کا مطالعہ حروفِ مفردہ کے حوالے سے کیا ہے۔ انہی میں سے ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ الف اور لام میں ایک بہت ہی گہرا اور منفرد تعلق ہے، بلکہ ان میں باہمی محبت و معیت کی خاص نسبت ہے وہ یہ کہ جس طرح 'لام' کے قلب (وسط) میں الف ہے اسی طرح الف کے قلب (وسط) میں لام ہے جس کا ایک خاص نتیجہ واقع ہوا ہے۔ یاد

رہے کہ 'الف' کسی بھی کلمہ کے شروع میں وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ حرکت قبول نہیں کرتا، اس لئے اسکی یہ خدمت ہمیشہ ہمزہ (ء) انجام دیتا ہے۔ مگر کبھی کبھی 'ا' خود بھی کسی اسم کے شروع میں اس پر وارد ہونا چاہتا ہے۔ جب وہ خود کسی پر اپنا ورود اور ظہور کرنا چاہے تو اکیلا نہیں کرتا، وہ اپنے ساتھ 'لام' کو ملاتا ہے اور 'ال' بن کر وارد ہوتا ہے۔ حالانکہ 'لام' ترتیبِ حروف تہجائی میں اس کے قریب نہیں ہے بہت دور ہے۔ مگر یہ خاص تعلق و محبت کے باعث اسے اپنے پاس بلاتا ہے، اپنے ساتھ ملاتا ہے اور یوں 'الف' سے 'ال' بن جاتا ہے۔ اس طرح 'لام' بھی 'الف' سے ملنے کے بعد 'لام تعریف' کہلاتی ہے۔ گویا 'الف' نے اپنے ملاپ اور وصال سے 'لام' میں بھی تعریف پیدا کر دی ہے۔ پھر یہ 'ال' جس پر بھی وارد ہو جائیں تو اس میں 'معرفت' پیدا کر دیتے ہے اور اَہلِ نحو اسے 'اسمِ معرفہ' کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً 'کتابٌ' پر 'ال' وارد ہوئے تو وہ 'الکتابُ' ہوگئی، 'رسولٌ' پر 'ال' وارد ہوئے 'الرّسولُ' ہوگیا۔ اسی طرح 'حمدٌ' پر 'ال' وارد ہوئے تو وہ 'الحمدُ' بن گئی۔

گویا 'ال' اسم کو نکرہ سے معرفہ میں بدل دیتے ہیں۔ پھر 'ال' کے ورود سے طرح طرح کے احوال پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی اسمِ جنس پر داخل ہو کر اسے ایک معین شخص بنا دیتے ہیں، کبھی افراد اور اشخاص سے کوئی تعلق نہیں رکھتے صرف ماہیت کے معنی میں اسے خاص کر دیتے ہیں۔ کبھی اس جنس میں تمام افراد کا معنی پیدا کر دیتے ہیں اور یوں اسے کلیت اور استغراق کی شان سے نواز دیتے ہیں۔ سو 'ا، ل، م' میں بھی 'ال' اس شانِ حرفیت کے ساتھ 'میم' پر وارد ہوئے ہیں جس سے 'میم' کو ایک معین ہستی اور وجود خاص کے طور پر ظہور ملا ہے۔ 'ال' نے اپنے فیض کی دوسری جہت سے 'میم' کی حقیقت و ماہیت کو بھی خاص مقام و معرفت سے نواز دیا ہے اور 'ال' نے اپنے فیض کی تیسری جہت سے 'میم' کو کل موجودات پر محیط کر دیا ہے۔ فیضِ عہد سے 'میم' کو وجودِ محمدی کا نام ملا ہے، فیضِ جنس سے 'میم' کو 'حقیقتِ محمدی' کا نام ملا ہے اور فیضِ استغراق سے 'میم' کی حقیقت رحمۃً للعالمین ﷺ کے روپ میں کل اَفرادِ خلق پر حاوی اور جمیع موجوداتِ عوالم میں جاری و ساری ہوگئی ہے۔ گویا سورۃ الفاتحہ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی تعریف یوں کی گئی تھی کہ جس طرح اس کا فیضانِ ربوبیت جمیع کائنات میں جاری و ساری ہے اسی طرح اس کا فیضانِ

رحمت بھی دنیا و آخرت پر محیط اور حاوی ہے، جبکہ سورۃ البقرہ کی ابتداء میں ’الم‘ کے ذریعے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ذاتِ حق کی مظہریتِ تامّہ کی شان کے ساتھ حقیقتِ محمدی کا فیضان بھی جمیع کائنات میں جاری و ساری ہے اور آپ ﷺ کی شانِ رحمۃً للعالمینی کا فیض بھی دنیا و آخرت پر محیط اور حاوی ہے۔ سو الفاتحہ، ’شانِ ربوبیت‘ کے بیان سے شروع ہوئی اور البقرۃ ’شانِ محمدیت ﷺ‘ کے بیان سے جو کہ عالم امر و خلق میں مربوبیتِ کاملہ کا نمونۂ اتم بھی ہے اور رحمتِ الٰہیہ کا مصدرِ اعظم بھی۔

لہٰذا اس ترکیب کے لحاظ سے ’ا‘ کا اشارہ شانِ الوہیت کی طرف ہے جبکہ ’ل‘ کا اشارہ تعین و معرفت کی طرف اور ’میم‘ کا اشارہ شانِ رسالت کی طرف ہے۔

جب فیضانِ اُلوہیت اپنی کمالِ شفقت و محبت کے ساتھ مرتبۂ رسالت کی طرف متوجہ ہوا تو اس کے نتیجہ میں اسے اکمل مظہریت ملی سو اس کا نام ’وجودِ محمدی ﷺ‘ قرار پا گیا۔ پھر یہی مظہریت مرحلۂ خلق میں جلوہ گر ہوئی تو ’حقیقتِ محمدی‘ کہلائی۔ چنانچہ اسی حقیقتِ محمدی سے کلامِ حق کا آغاز ہوا اور یہی حروفِ مقطعات کا نقش اوّل بنی۔

۲۳۔ تئیسواں قول

’الٓمٓ‘ کی ایک عارفانہ تاویل یہ بھی ہے کہ ’الف‘ میں باری تعالیٰ کی اولیت و ازلیت کی طرف اشارہ ہے۔ ’لام‘ میں اس کے جلال و جمال کی طرف اور ’میم‘ میں اس کی محبت کی طرف، اس لحاظ سے ’الف‘ قطب الاشارات ہے، کیونکہ یہ اوّلیت و ازلیّتِ الٰہیہ کا اشارہ ہے جو اثباتِ توحید سے عبارت ہے۔ ’ا‘ کی اولیّت و ازلیّت سے مراد اللہ تعالیٰ کی شان سے اسقاطِ حدَث اور اثباتِ قِدَم ہے۔ یعنی وہ ذاتِ احد و قدیم ہر قسم کی صفاتِ حادثہ سے پاک اور بلند ہے جو کہ مخلوق کے اوصاف ہیں یہ توحید کا درجۂ تنزیہہ ہے۔ یہ اہلِ علم و عبادت کی توحید ہے جس کا ذکر درج ذیل آیت کریمہ میں آیا ہے:

شَهِدَ اللهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ.[1]

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۸

اللہ نے اس بات پر گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی۔

یہ وہ توحید ہے جس کی گواہی اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے ساتھ اہلِ علم دیتے ہیں۔

'لامؔ' کا اشارہ 'جلال و جمال' کی طرف ہے اور جلال و جمالِ الٰہی، شواہدِ ذات ہیں، یہ اہلِ طلب و شوق کی توحید ہے جو وادیِ اشتیاق کے مسافر ہوتے ہیں۔ اس کے اشارات اِن آیاتِ قرآنی میں آئے ہیں۔

۱۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى.(۱)

جب موسیٰ (علیہ السلام) نے (مدین سے واپس مصر آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا تم یہاں ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (یا میں نے ایک آگ میں اُنس و محبت کا شعلہ پایا ہے) شاید میں اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے (بھی) لے آؤں یا میں اس آگ پر (سے وہ) رہنمائی پا لوں (جس کی تلاش میں سرگرداں ہوں)o

۲۔ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًاۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَo(۲)

انہوں نے طور کی جانب سے ایک آگ دیکھی (وہ شعلۂ حسنِ مطلق تھا جس کی طرف آپ کی طبیعت مانوس ہوگئی) انہوں نے اپنی اہلیہ سے فرمایا: تم (یہیں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ شاید میں تمہارے لئے اس (آگ) سے کچھ (اُسکی) خبر لاؤں (جس کی تلاش میں مدتوں سے سرگرداں ہوں) یا آتشِ (سوزاں) کی کوئی

(۱) طٰه، ۲۰: ۱۰

(۲) القصص، ۲۸: ۲۹

چنگاری (لادوں) تا کہ تم (بھی) تپ اٹھو۔

طالبین اور مشتاقین حالتِ غیاب میں ہوتے ہیں اس لئے انہیں توحید کے شواھد دکھائے جاتے ہیں کبھی نار کی شکل میں اور کبھی نور کی شکل میں۔ 'نار' علامتِ جلال ہے اور 'نور' علامتِ جمال۔

'میم' کا اشارہ محبت کی طرف ہے اور اہلِ محبت کو غیاب سے نکال کر قرب وحضوری کی وادی میں بلا لیا جاتا ہے۔ سو ان کی توحید شواھد سے بڑھ کر خود مشہود سے متعلق ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں انخلاع کا حکم دیا جاتا ہے کہ جلال و جمال کے شواھد اور حسنِ قدرت کے مظاہر میں کھوئے رہنے کے بجائے اب براہ راست مشہود کی طرف توجہ کرو، گویا شہود کے دائرہ سے نکلو اور خود وجود سے متعلق ہو جاؤ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا:

فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیo اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ ج اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیo وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰیo[1]

پھر جب وہ اس (آگ) کے پاس پہنچے تو ندا کی گئی اے موسیٰ!o بیشک میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہوo اور میں نے تمہیں (اپنی رسالت کے لئے) چن لیا ہے پس تم پوری توجہ سے سنو جو تمہیں وحی کی جارہی ہےo

یہ توحید میں تجرید و تفرید کا درجہ ہے، جو اہلِ محبت و فنا کی توحید کہلاتا ہے۔ اس کا اشارہ حرف 'میم' میں ہے۔

گویا الف لام میم میں معرفتِ توحید کے تینوں مراتب اور اہلِ توحید کے تینوں طبقات کا اشارہ کر دیا گیا ہے کہ یہ 'الکتاب' ہے جو ہر طبقہ کے مسافروں کو ان کے احوال کے مطابق ہدایت عطا کرتی ہے۔ کسی کو فقط منزل کی خبر دیتی ہے، کسی کو راہ دکھا دیتی ہے اور کسی کو

(۱) طٰہٰ، ۲۰: ۱۱-۱۳

منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ سو اہلِ علم و عبادت کو ان کے ظرف و صلاحیت کے مطابق ہدایتِ خبر سے نوازتی ہے، اِس ہدایتِ الٰہیہ کا اشارہ 'الف' ہے۔ اہلِ طلب و شوق کو ان کے احوال کے مطابق ہدایت اِرائۃ سے نوازتی ہے، اس ہدایت الٰہیہ کا اشارہ 'لام' ہے اور اہلِ محبت و فنا کو ان کے مقام کے مطابق ہدایتِ ایصال سے نوازتی ہے، اِس ہدایت الٰہیہ کا اشارہ 'میم' ہے۔

۲۴۔ چوبیسواں قول

قاضی ابو محمد رُوز بہان البقلی المصری 'عرائس البیان' میں لکھتے ہیں کہ 'الٓمٓ' کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ 'الف' کا اشارہ وحدانیتِ ذات کی طرف ہے۔ 'لام' کا اشارہ اَزَلیتِ صفات کی طرف، اور 'میم' کا اشارہ مُلکِ اظہار آیات کی طرف ہے۔

گویا باری تعالیٰ نے ابتدائے کلام میں 'اٗ' کے ذریعے اپنی ذات کی وحدانیت و فروانیت کی خبر دی ہے۔ 'لام' کے ذریعے اپنی صفات کی ازلیت و سرمدیت کی خبر دی ہے، اور 'میم' کے ذریعے اپنی آیات (نشانیوں) کے اظہار پر اپنی قدرت و سلطانیت کی خبر دی ہے۔ اس لیے 'الف' میں ذات کا راز ہے۔ 'لام' میں صفات کا راز ہے اور 'میم' میں اس کے افعال اور آیات کا راز ہے۔

باری تعالیٰ نے 'الف' کی تجلی سے انبیاء کرام علیہم السلام کو نوازا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان سے ہر قسم کے رذائل کو فنا کر دیا گیا ہے، اور انہیں عصمتِ کاملہ کی چادر پہنا دی گئی ہے۔ اُنہیں اس کی اپنی ذاتِ قدیم کی مظہریت سے فیض یاب فرما دیا گیا ہے اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کے ظہور کو مقرر کیا گیا ہے جنہیں عقلیں سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں۔

جب کہ اس نے 'لام' کی تجلی سے قلوبِ عارفین کو نوازا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان سے کدورات فنا کر دی گئی ہیں اور انہیں اپنی صفاتِ جمیلہ کی مظہریت سے فیضیاب فرما دیا گیا ہے۔ چنانچہ قلوب پر اُلوہی صفات کے جلووں کے غلبہ کے باعث ان سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے، جنہیں غیر عارفین سمجھنے سے عاجز و قاصر رہتے ہیں۔

اسی طرح 'میم' کی تجلّی سے عقولِ اولیاء و صالحین کو نوازا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں ان سے شہوات کو فنا کر دیا گیا ہے اور آیاتِ الٰہیہ کے انوار کے غلبہ کے باعث ان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے، جنہیں سمجھنے سے غیر روحانیین قاصر و عاجز رہتے ہیں۔ (۱)

پھر

یہ تینوں شانیں ذاتِ محمدی ﷺ میں بتمام و کمال اس طرح جمع کر دی گئی ہیں کہ آپ ﷺ کو 'الٓمّٓ' کا مظہرِ اتم بنا دیا گیا ہے۔ چونکہ اس قدر عظمات و کمالات کے ایک جگہ جمع ہو جانے پر انسانی عقلوں کا شکوک و شبہات کا شکار ہو جانا ایک فطری امر تھا، اس لیے باری تعالیٰ نے خود 'ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ ج فِیْهِ' کا اعلان کر کے ہر قسم کے شک و شبہ کے امکان کو خود اپنی طرف سے ردّ فرما دیا ہے۔

۲۵۔ پچیسواں قول

'الٓمّٓ' کی ایک اشاری تعبیر یہ بھی ہے کہ مخارجِ حروف کے اعتبار سے چونکہ '**الف**' کا مبدأ اوّل مقام پر ہے۔ اس لیے اس کا اشارہ تخلیقِ انسانی کے باب میں مبداءِ اوّل کی طرف ہے۔ جو عالم الغیب میں باری تعالیٰ کی شانِ ذاتی کا مرتبہ ہے، جہاں سے امرکن صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح '**لام**' کا مخرج منہ کا وسط ہے، جہاں سے اس حرف کی لفظی حرکت ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا اشارہ تخلیقِ انسانی کے باب میں مرتبۂ وسطی کی طرف ہے، جو عالم ارواح ہے، جہاں پر حقیقی تخلیق کے بعد انسانی روح اپنا سفرِ حرکت جاری رکھتی ہے۔ مگر یہ عالم بھی خفیات میں سے ہے۔ پھر '**میم**' کا مقام آخر المخارج ہے، جو کہ لب ہیں۔ جہاں سے حروف و الفاظ نہاں خانۂ ذہن سے نکل کر عالمِ وجود میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ تخلیقِ انسانی کے باب میں مرتبۂ اجسام ہے۔ یہاں آ کر جیسے انسانی وجود کے تینوں مخارج کا کام مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح 'الٓمّٓ' کے تینوں حروف کے بھی تینوں مخارج کا سفر اوّل سے آخر تک مکمل ہو جاتا ہے۔ سو جس طرح یہ حرکتِ حروف کی تین منزلیں ہیں۔ 'الف کا مبداء، لام کا وسط اور میم کا آخر' اِسی

(۱) روزبهان البقلي، عرائس البيان في حقائق القرآن، ۱: ۲۷-۲۸

طرح یہ حرکتِ انسانی کی منازلِ ثلاثہ ہیں، جو ابتدائے کلام میں ہی انسانی زندگی کی حقیقت اور پھر اس کی خلقتِ وجود اور ظہور کے سفر کی تینوں مرحلوں کی خبر دے رہی ہیں۔ ’ذٰلِکَ الْکِتَابُ‘ یعنی ’یہ کتابِ الٰہی‘ انسان کو یہی معرفت عطا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے اور اس حقیقت کی کامل آگاہی سے ہی انسان ہدایت یافتہ بنتا ہے۔ جس کا ذکر اگلی دو آیات میں آیا ہے۔

۲۶۔ چھبیسواں قول

علامہ اسماعیل الحقی ’روح البیان‘ میں لکھتے ہیں:

والنبي ﷺ أوتي علم الأولين والآخرين، فيحتمل أن يكون الٓمّٓ وسائر الحروف المقطعة من قبيل المواضعات المعميات بالحروف بين المحبين. لا يطلع عليها غيرهما وقد واضعها الله تعالى مع نبيه ﷺ في وقت لا يسعه فيه ملک مقرب، ولا نبي مرسل، ليتكلم بها معه على لسان جبريل عليه السلام بأسرار وحقائق لا يطلع عليها جبريل ولا غيره. يدل على هذا ما روى في الأخبار أن جبريل عليه السلام لما نزل بقوله تعالى: كٓهيٰعٓصٓ (مريم، ۱۹: ۱)، **فلما قال: كاف، قال النبي ﷺ: علمت. فقال: ها، فقال: علمت. فقال: يا، فقال: علمت. فقال: عين، فقال: علمت. فقال: صاد، فقال: علمت. فقال جبريل عليه السلام: كيف علمت ما لم أعلم؟**(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کو اوّلین و آخرین کے سب علوم عطا کئے گئے ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ ’الٓمّٓ‘ سمیت تمام حروفِ مقطعات ان راز دارانہ موضوعات و اشارات میں سے ہوں، جو بصورتِ حروف صرف محبین کے درمیان معلوم اور مستعمل ہوتے ہیں اور انہیں محبّ اور محبوب کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اِن حروف کو باری

(۱) إسماعيل الحقي، روح البيان في تفسير القرآن، ۱: ۲۸

www.MinhajBooks.com

تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے ساتھ قرب و معیت کے اُن خاص لمحات میں وضع فرمایا ہو، جن کا ادراک نہ کسی مقرب فرشتہ کو حاصل ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو، نہ ہی اُنہیں اِن لمحاتِ قربت تک رسائی میسر ہے تا کہ ایسے خصوصی کلام کے لیے جو بزبان جبریل علیہ السلام نازل ہوتا ہے، انہی حروف کو استعمال کیا جائے، اور ان حروف کے ذریعے اپنے حبیب ﷺ کو ایسے خصوصی حقائق و اسرار سے آگاہ کیا جائے، جن پر خود جبریل امین علیہ السلام بھی مطلع نہ ہوں اور نہ کوئی اور۔ اس معنی پر بعض احادیث بھی دلالت کرتی ہیں، جن میں روایت کیا گیا ہے کہ 'کھیٰعٓصٓ' کے نزول کے وقت، جب جبریل امین علیہ السلام نے کہا: 'کاف' تو حضور نبی اکرم ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: 'ہاں میں جان گیا'۔ جب جبریلِ امین علیہ السلام نے دوسرا حرف 'ہا' تلاوت کیا، تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا: 'ہاں میں جان گیا'۔ اِسی طرح جب اُنہوں نے 'یا' پڑھا، تو آپ ﷺ نے پھر ارشاد فرمایا: 'ہاں میں جان گیا'۔ جب اُنہوں نے 'عین' کہا، تو آپ ﷺ نے پھر فرمایا: 'ہاں میں جان گیا'۔ الغرض اُنہوں نے جب آخری حرف 'صاد' پڑھا، تو آپ ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا: 'ہاں میں جان گیا'۔ اس پر جبریل امین علیہ السلام نے خوش گوار حیرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا خوب بات ہے کہ جو کچھ میں بھی نہیں جان سکا، آپ ﷺ وہ سب کچھ بھی جان گئے ہیں۔

۲۷۔ ستائیسواں قول

امام ابو القاسم القشیری 'لطائف الإشارات (۱:۳۰)' میں بیان کرتے ہیں کہ کلمات اور عبارات کی کثرت عمومی احکام کے لیے ہوتی ہے، مگر خصوصی اشارات کے لیے 'رُموز' استعمال کئے جاتے ہیں، اس باب میں آپ نے لکھا ہے کہ باری تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک ہزار مواقع پر اپنا کلام سنایا یا مخاطب فرمایا تھا۔ جب حبیب مکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ سے 'الٓمّٓ' کے صرف پہلے ایک ہی حرف 'الف' کی صورت میں رمزاً اور اشارتاً ہزار مخاطبات کا خلاصہ بیان فرما دیا اور 'لام، میم' کے دو حروف اس پر مستزاد کئے۔ پھر دیگر حروفِ مقطعات بھی ان پر

مزید الطافِ الٰہیہ کے مظہر قرار پائے۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان اِسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے:

أوتيت جوامِعَ الكَلِمِ[۱]، فاختُصِرَ لي الكلامُ اختصاراً.[۲]

مجھے جمیع کلمات و خطابات کے مجموعہ سے نوازا گیا ہے اور میرے لیے تمام کلام (منزل و غیر منزل) کو نہایت کمال درجہ کا اختصار عطا کیا گیا ہے۔

۲۸۔ اَٹھائیسواں قول

امام نجم الدین الکبریٰ 'التأویلات النجمیة (۱:۱۰۳)' میں فرماتے ہیں: قرآن مجید میں نماز کی تین ہیئتوں (شکلوں) کا ذکر آیا ہے: قیام، رکوع اور سجود:

قیام کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ○[۳]

اور اللہ کے حضور سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کیا کرو۔

رکوع کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ○[۴]

(۱) اس روایت کو امام مسلم نے 'الصحیح (کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، ۱:۳۷۱، رقم: ۵۲۳)' میں، احمد بن حنبل نے 'المسند (۲:۲۵۰، ۴۴۲، رقم: ۷۳۹۷، ۹۷۰۳)' میں، ابن ابی شیبہ نے 'المصنف (۶:۳۱۸، رقم: ۳۱۷۳۵)' میں، ابو یعلی نے 'المسند (۱۱:۱۷۶، رقم: ۶۲۸۷)' میں اور سعید بن منصور نے 'السنن (۲:۳۶۰، رقم: ۲۸۶۲)' میں مختصراً روایت کیا ہے۔

(۲) ابن حجر العسقلاني، المطالب العالية، ۱۵: ۶۳۴، رقم: ۳۸۴۸

(۳) البقرة، ۲: ۲۳۸

(۴) البقرة، ۲: ۴۳

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ (مل کر) رکوع کیا کرو۔

جب کہ سجود کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ○[1]

اور (اے حبیبِ مکرّم!) آپ سر بسجود رہئے اور (ہم سے مزید) قریب ہوتے جایئے۔

نماز کی یہ تینوں حالتیں 'الٓمّٓ' کی تفسیر ہیں:

'ا' قیام کی طرف اشارہ ہے۔

'ل' رکوع کی طرف اشارہ ہے۔

'م' سجود کی طرف اشارہ ہے۔

نماز، اللہ تعالیٰ کی عبادات کا کمال ہے اور مذکورہ تین حالتیں (قیام، رکوع اور سجود) پوری نماز کا خلاصہ بھی ہیں اور کمال بھی۔ انہی تین حالتوں کا 'الٓمّٓ' میں اشارتاً سمو کر بندگانِ خدا کو 'عبدیت' کا راز سمجھا دیا گیا ہے۔

۲۹۔ اُنتیسواں قول

علامہ ابن القیم اپنی کتاب 'بدائع الفوائد (۶۹۲:۳-۶۹۳)' میں 'الٓمّٓ' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: 'الٓمّٓ' کے تینوں حروف میں مخارجِ ثلاثہ (حلق، زبان اور دونوں ہونٹ) ترتیب وار جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یعنی 'ا' کا مخرج حلق ہے، 'ل' کا مخرج زبان ہے، اور 'م' کا مخرج دونوں ہونٹ ہیں۔ سو 'الف' کے مخرج کے ذریعے ہدایت یعنی ابتدائے خلق کی طرف اشارہ ہے۔ 'لام' کے مخرج کے ذریعے وسط یعنی عالمِ معاش کی طرف اشارہ ہے، جس کے لیے اوامر و نواہی اُتارے جاتے ہیں، اور 'میم' کے مخرج کے ذریعے نہایت یعنی عالم معاد (آخرت) کی طرف

(۱) العلق، ۹۶: ۱۹

اشارہ ہے۔ ’الٓمّٓ‘ کے حروف کا آغازِ کتاب میں ورود اس حقیقت کا اعلان ہے کہ اے انسان! یہ کتاب تجھے تیری خلق، ابتداے حیات اور آغازِ کائنات کی بھی خبر دے گی۔ یہی کتاب عالمِ معاش میں نیکی و بدی، حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز بھی سکھائے گی، تاکہ تو حق و راستی کی زندگی اختیار کر سکے اور باطل اور ہلاکت کی راہ سے بچ سکے۔ یہی کتاب تجھے تیرے انجام اور احوالِ آخرت کی خبر بھی دے گی، تاکہ تو اسے سنوارنے کا اہتمام کر سکے۔ گویا ان حروف کی زبان میں ابتدائے عالم سے انتہائے عالم تک اسی قرآن کے ذریعے مکمل ہدایت اور معرفت کا اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۳۰۔ تیسواں قول

امام ابو اسحاق الثعلبی نے ’الکشف والبیان‘ میں ’الٓمّٓ‘ کی تفسیر میں بعض ائمہ معرفت کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ألف: أنا، لام: لي، ميم: مني. (۱)

’الف‘ کا اشارہ ’میں‘ کی طرف ہے، ’لام‘ سے مراد ’میرے لیے‘ ہے اور ’میم‘ سے مراد ’مجھ سے‘ ہے۔

راقم الحروف کے ناقص فہم کے مطابق معانی مذکورہ کی صورت میں طالبانِ ہدایت کو یہ اُلوہی پیغام دیا جا رہا ہے کہ کائناتِ ہست و بود کی ہر شے کی تین ہی حقیقتیں ہیں:

پہلی: ہر شے کے وجود میں ’میں‘ کا مطلب یہ ہے کہ ہر شے میں میری ہی خلاقیت و ربوبیت کے جلوے کو کارفرما دیکھا کرو، کیونکہ ہر شے میں میری ہی کسی نہ کسی صفت کا عکس ہے۔

دوسری: ہر شے میرے لیے ہے، یعنی میرے حکم و مشیت کے تابع اور میری طاعت و عبادت کے لیے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۝ (۲)

---

(۱) الثعلبي، الكشف والبيان عن تفسير القرآن، ۱:۱۴۰

(۲) مريم، ۱۹: ۹۳

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں (خواہ فرشتے ہیں یا جن و انس) وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔

گویا کوئی چیز میری قدرت سے خارج نہیں۔ اس لیے ہر شے کا مرجع بھی بالآخر میں ہی ہوں۔ لہٰذا لوگو! مجھ سے بے نیاز ہو کر زندگی نہ گزارو۔ کیونکہ تمہاری تخلیق کا مقصد بھی میری بندگی اور معرفت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○ (۱)

اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔

سو، میرا وفادار شخص وہی ہے جس کی زندگی کی تمام حرکات و ترجیحات میرے لیے ہیں، اور یاد رہے کہ تمہیں پلٹ کر بھی میرے ہی حضور حاضر ہونا ہے۔

تیسری: ہر شے کا مبدأ و مصدر بھی میں ہی ہوں۔ ہر شے کا صدور میرے امرِ کُن سے ہوا ہے۔ اس لیے کائنات کا کوئی وجود میری قدرت سے باہر نہیں۔ سو تم ہمہ وقت خود کو میرا فقیر اور محتاج سمجھا کرو اور میری قدرت کی طرف کامل دھیان رکھا کرو۔

پھر اس معنی میں اہلِ معرفت کے سفرِ تجدید کا اشارہ بھی ہے۔ جیسا کہ منقول ہے۔ حضرت ذوالنون مصری بیان کرتے ہیں:

كنت قادما من بيت المقدس، قاصدا مصر، فرأيت في الطريق شيخا مهيبا من بعيد، فخطر قلبي أن أساله سؤالا، فلما اقترب مني، رأيته عجوزا بيدها عكاز، وعليها جبة من صوف. فقلت: من أين؟ قالت: من الله. قلت: إلى أين؟ قالت: إلى الله. وكان معي دينارا فأخرجته لأعطيه لها، فلوحت بيدها في وجهي، وقالت: يا ذا النون، أن الصورة

---

(۱) الذاريات، ۵۱: ۵۶

التي تصورتها عني من ركاكة عقلك. إنني أعمل لله، ولا أخذ شيئا من سواه، وكما أنّي لا أعبد غيره، فإني لا آخذ شيئا من غيره.[1]

میں بیت المقدس سے مصر کی طرف عازمِ سفر تھا کہ میں نے راستے میں ایک ضعیف انسان کو دور سے دیکھا۔ میرے دل نے چاہا کہ اِس سے کچھ سوال پوچھوں، لہٰذا جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک ضعیف عورت ہے اور اُس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے جس کے سہارے وہ چل رہی ہے۔ اُس نے صوف کا جبہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: کہاں سے آ رہی ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کے ہاں سے۔ میں نے پھر پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب دیا: اللہ تعالیٰ کی طرف۔ حضرت ذوالنون بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس ایک دینار تھا میں نے جیب سے نکالا کہ اُنہیں دوں۔ اُس عارفہ نے میرے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا: اے ذوالنون! تو نے میرے بارے میں جو تصور کیا ہے وہ تمہارے کم عقل ہونے کی دلیل ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتی ہوں اور اُس کے سوا کسی سے کچھ طلب نہیں کرتی، جیسا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہوں اور اُسی سے اجر کی طالب ہوں۔

سو اَہلِ حق اپنے سفرِ زندگی کی ابتداء میں بھی اسی کو دیکھتے ہیں اور انتہاء میں بھی اسی کو۔ ایک لمحہ کے لیے بھی جلوۂ حق اُن کی نگاہِ قلب و باطن سے اوجھل نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ہر لمحہ 'أنا اللہ' کے نغمۂ لاہوتی کو سنتے اور اُسی کی دھن میں مست رہتے ہیں اور پل بھر کے لیے بھی غیر کی طرف اِلتفات نہیں کرتے۔

٣١۔ اِکتیسواں قول

امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام، سیدنا امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ 'الٓمّٓ' سے قرآنی حروفِ مقطعات کا آغاز ہوا ہے۔ پھر ان اولین 'حروفِ مقطعات' کا آغاز حرف

(١) علي الهجويري، كشف المحجوب: ٣١٣

www.MinhajBooks.com

'ا' سے ہوا ہے، یہ اس لیے کہ حرف 'ا' میں باری تعالیٰ کی چھ صفات کا عکس ہے:

۱۔ اِبتداء:

اللہ تعالیٰ خود اوّل ہے اور اس نے ساری خلق کی ابتداء بھی اپنے امر سے ہی فرمائی ہے، اور حرفِ 'ا' بھی حروف میں اول ہے اور اسی سے تمام حروف کی ابتداء ہوتی ہے۔

۲۔ اِستواء:

اللہ تعالیٰ کی شانِ استواء یہ ہے کہ وہ عادل اور غیر جائر ہے۔ یعنی شانِ عدل سے ذرا بھر نہیں ہٹتا اور نہ ہی اس سے کوئی ظلم صادر ہوتا ہے۔ اسی استواء کی جھلک حرف 'ا' میں رکھی گئی ہے کہ وہ سیدھا ہے۔ یہی نشانِ عدل ہے اور دائیں، بائیں جھکا ہوا نہ ہونا، جور وظلم سے پاک ہونے کی علامت ہے۔

۳۔ اِنفراد:

اللہ تعالیٰ کی شانِ انفراد یہ ہے کہ وہ فرد، یعنی یکتا وتنہا ہے۔ دوئی سے پاک ہے، یہی خوبی عالمِ حروف میں 'ا' کو عطا کی گئی ہے۔ وہ ہر حال میں یکتا وتنہا لگتا ہے۔

۴۔ وجہِ اُلفت:

باری تعالیٰ کی ذات مخلوق میں وجہِ اُلفت وتعلق بنتی ہے۔ وہی پھوٹے ہوئے دلوں کو تألیف کے ذریعے باہم جوڑتی ہے۔ اسی وجہ سے 'الحب في الله' کو ایمان کا درجہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح 'ا' بھی دیگر حروف کے درمیان وجہِ اُلفت اور سببِ ربط وتعلق بنتا ہے۔ یہ شان کسی اور حرف کو حاصل نہیں۔ جو 'تالیف بین الحروف' کا کام کر سکے۔

۵۔ محتاج اِلیہ:

باری تعالیٰ ہر مخلوق سے غنی ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس شانِ استغناء کی جھلک حروف کی دنیا میں حرفِ 'ا' میں نظر آتی ہے کہ وہ کسی کی طرف احتیاج نہیں رکھتا، اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ دوسرے حروف اس کی طرف محتاج ہوتے ہیں۔ حتی کہ اس سے ملنے کے لیے وہ

اپنی ہیئتِ لفظی بھی بدل لیتے ہیں۔ مگر 'ا' اپنی ہیئت وصورت بھی نہیں بدلتا اور شانِ بے نیازی کے ساتھ ہر ایک کو اپنی معاونت دیتا رہتا ہے۔

اِس معنی کا ذکر امام ابو اسحاق الثعلبی نے 'الکشف والبیان'[1] میں کیا ہے۔

'الٓمٓ' کی تفسیر کے ذیل میں مذکورہ بالا تمام اَقوال اپنے معانی و مطالب میں جامعیت کے حامل ہیں۔ اِن کی تاویل میں جتنی بھی تصریحات و توضیحات پیش کی گئیں، یہ حروف سب کے معانی و مفاہیم کا اِحاطہ کیے ہوئے ہیں۔ 'الٓمٓ' کی تفسیر وتعبیر کو صرف ایک قول کے ساتھ محدود نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ حروف اپنے اندر مفاہیم کا ایک بحرِ بے کراں سموئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اِن میں سے موقع ومحل کے اِعتبار سے کسی ایک قول کا چناؤ دیگر اَقوال کی ہرگز نفی تصور نہیں کیا جائے گا۔

مذکورہ بحث سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف اپنے اندر اِعجازی شان اور معنی ومفہوم کے لحاظ سے ایک کائنات سموئے ہوئے ہے۔ یاد رہے کہ حروفِ مقطعات بے محل و بے معنی ہرگز نہیں بلکہ کوزے میں دریا بند کرنے کے مصداق اپنے اندر علم وحکمت کے لحاظ سے مفاہیم ومطالب کے کئی گہر ہائے گراں مایہ چھپائے ہوئے ہیں۔

---

(۱) الثعلبي، الکشف والبیان عن تفسیر القرآن، ۱:۱۴۰

مصادِر و مراجع

www.MinhajBooks.com

۱۔ **القرآن الحکیم۔**

۲۔ **آلوسی**، ابو الفضل شہاب الدین السید محمود (۱۲۷۰ھ)۔ **روح المعاني فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني۔** بیروت، لبنان: دار الاحیاء التراث۔

۳۔ **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (۱۶۴-۲۴۱ھ/۷۸۰-۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

۴۔ **ابو اسحاق الثعلبی**، احمد بن محمد بن ابراہیم النیسابوری (م ۴۲۷ھ)۔ **الکشف و البیان (المعروف تفسیر الثعلبی)۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربي، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

۵۔ **اسماعیل حقی**، بروسوی یا اسکوداری (۱۰۶۳-۱۱۳۷ھ/۱۶۵۲-۱۷۲۴ء)۔ **تفسیر روح البیان۔** کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ اسلامیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۶۔ **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ/۸۱۰- ۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار القلم، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء۔

۷۔ **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۰-۲۹۲ھ/ ۸۲۵-۹۰۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: ۱۴۰۹ھ۔

۸۔ **بغوی**، ابو محمد بن فراء حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶-۵۱۶ھ/۱۰۴۴-۱۱۲۲ء)۔ **شرح السنۃ۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۹۔ **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد (۴۳۶-۵۱۶ھ/۱۰۴۴-۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل۔**

www.MinhajBooks.com

بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۱۰۔ **بیضاوی**، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (۶۹۱ھ) ۔ **أنوار التنزیل وأسرار التأویل**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۱۱۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴-۴۵۸ھ /۹۹۴-۱۰۶۶ء)۔ **الأسماء والصفات**۔ جدہ، سعودی عرب: مکتبۃ السوادی، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۲۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴-۴۵۸ھ /۹۹۴-۱۰۶۶ء)۔ **السنن الکبریٰ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۱۳۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴-۴۵۸ھ /۹۹۴-۱۰۶۶ء)۔ **شعب الإیمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۱۴۔ **ترمذی**، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسی بن ضحاک سلمی (۲۱۰-۲۷۹ھ/ ۸۲۵-۸۹۲ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۸ء۔

۱۵۔ **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰-۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶-۱۲۰۱ء)۔ **زاد المسیر فی علم التفسیر**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۴ھ۔

۱۶۔ **ابن ابی حاتم رازی**، ابومحمد عبد الرحمٰن (۲۴۰-۳۲۷ھ/ ۸۵۴-۹۳۸ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم**۔ سعودی عرب: مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء۔

۱۷۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (۳۲۱-۴۰۵ھ/ ۹۳۳-۱۰۱۴ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

۱۸۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (۲۷۰-۳۵۴ھ/ ۸۸۴- ۹۶۵ء)۔

الصحيح۔ بیروت، لبنان: مؤسسة الرسالہ،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء۔

۱۹۔ **ابو حیان،** محمد بن یوسف اندلسی غرناطی (۶۵۴-۷۵۴ھ)۔ **البحر المحیط**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر،۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۲۰۔ **خطیب بغدادی،** ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲-۴۶۳ھ/۱۰۰۳-۱۰۷۱ء)۔ **تاریخ بغداد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۱۔ **خطیب تبریزی،** محمد بن عبد اللہ۔ **مشکاۃ المصابیح**۔ بیروت، لبنان، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۲۲۔ **ابو داؤد،** سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/ ۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر،۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۲۳۔ **ابن ابو داؤد،** عبد اللہ بن سلیمان بن اشعث ازدی سجستانی (۳۱۶ھ)۔ **المصاحف**۔ قاہرہ،مصر: الفاروق الحدیثہ،۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۲۴۔ **دارمی،** ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱-۲۵۵ھ/ ۷۹۷-۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۵۔ **دیلمی،** ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمذانی (۴۴۵-۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳-۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۲۶۔ **رازی،** محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تیمی (۵۴۳-۶۰۶ھ/ ۱۱۴۹-۱۲۱۰ء)۔ **التفسیر الکبیر**۔تہران، ایران: دار الکتب العلمیہ۔

۲۷۔ **ربیع،** ابن حبیب بن عمر بصری ازدی۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان، دارالحکمۃ، ۱۴۱۵ھ۔

۲۸۔ **روز بہان بقلی شیرازی،** ابو محمد بن ابی نصر (م ۶۰۶ھ/ ۱۲۰۹ء)۔ **عرائس البیان في حقائق القرآن**۔ کانپور، بھارت: مطبع العالی المعزی منشی نولکشور۔

۲۹۔ **زبیدی،** محبّ الدین ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبد الرزاق مرتضی حسینی حنفی (۱۱۴۵-۱۲۰۵ھ/ ۱۷۳۲-۱۷۹۱ء)۔ **تاج العروس من جواهر القاموس۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۳۰۔ **زجاج،** ابراہیم بن السری بن سہل، ابو اسحاق (۳۱۱ھ)۔ **معاني القرآن وإعرابه۔** بیروت، لبنان، عالم الکتب، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

۳۱۔ **زرقانی،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ **مناهل العرفان في علوم القرآن۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۳۲۔ **زمخشری،** امام جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۲۷-۵۳۸ھ)۔ **الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔** قاھرہ، مصر: ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔

۳۳۔ **ابوسعود،** محمد بن عمادی (۸۹۸- ۹۸۲ھ/ ۱۴۹۳-۱۵۷۵ء)۔ **إرشاد العقل السلیم إلی مزایا القرآن الکریم** (تفسیر ابی سعود)۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۳۴۔ **سعید بن منصور،** ابوعثمان الخراسانی (م ۲۲۷ھ)۔ **السنن۔** بھارت: الدار السّلفیہ، ۱۹۸۲ء۔

۳۵۔ **سعید بن منصور،** ابو عثمان الخراسانی، (م ۲۲۷ھ)، **السنن۔** ریاض، سعودی عرب: دار العصیمی، ۱۴۱۴ھ۔

۳۶۔ **سلمی،** اَبو عبد الرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ اَزدی (م۴۱۲ھ)۔ **حقائق التفسیر۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۱ء۔

۳۷۔ **ابو اللیث سمرقندی،** نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم (م۳۷۵ھ)۔ **بحر العلوم۔** بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۳۸۔ **ابو اللیث سمرقندی،** نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم (م۳۷۵ھ)۔ **بحر العلوم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ۔

www.MinhajBooks.com

۳۹۔ **سہل بن عبد اللہ التستری،** ابو محمد سہل بن عبد اللہ بن یونس بن رفیع (۲۸۳ھ)۔ **تفسیر التستري۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۳ھ۔

۴۰۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵- ۱۵۰۵ء)۔ **الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور۔** بیروت، لبنان: دار المعرفۃ + دار احیاء التراث العربی۔

۴۱۔ **سیوطی،** جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/ ۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **مناهل الصفا في تخريج أحاديث الشفاء۔**

۴۲۔ **شربینی،** شمس الدین، محمد بن احمد الخطیب الشافعی (۹۷۷ھ)۔ **السراج المنير في الإعانة على معرفة بعض معاني كلام ربنا الحكيم الخبير۔** قاہرہ، مصر: مطبعۃ بولاق (الأمیریۃ)، ۱۲۸۵ھ۔

۴۳۔ **شنقیطی،** محمد الأمین بن محمد بن المختار الجکنی (۱۳۹۳ھ)۔ **أضواء البيان۔** بیروت، لبنان: دار الفکر للطابعۃ والنشر، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۴۴۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدير الجامع بين فنّى الرواية والدراية من علم التفسير۔** مصر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۴ء۔

۴۵۔ **شوکانی،** محمد بن علی بن محمد (۱۱۷۳-۱۲۵۰ھ/ ۱۷۶۰-۱۸۳۴ء)۔ **فتح القدير الجامع بين فنّى الرواية والدراية من علم التفسير۔** بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۴۶۔ **ابن ابی شیبہ،** ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان کوفی (۱۵۹-۲۳۵ھ/ ۷۷۶-۸۴۹ء)۔ **المصنف۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۰۹ھ۔

۴۷۔ **طبرانی،** سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/ ۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الأوسط۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔

۴۸۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **التفسیر الکبیر۔ الموسوعة الشاملة۔**

۴۹۔ **طبرانی**، سلیمان بن احمد (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ **المعجم الکبیر۔** موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

۵۰۔ **طبری**، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴-۳۱۰ھ/ ۸۳۹-۹۲۳ء)۔ **جامع البیان في تفسیر القرآن۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

۵۱۔ **ابن عادل الدمشقي**، ابو حفص سراج الدین عمر بن علی الحنبلی الدمشقی النعمانی (۷۷۵ھ)۔ **اللباب في علوم الکتاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

۵۲۔ **ابن عبدالبر**، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۹-۱۰۷۱ء)۔ **الاستیعاب في معرفة الأصحاب۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء۔

۵۳۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **المصنف۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱۴۰۳ھ۔

۵۴۔ **عبد الرزاق**، ابو بکر بن ہمام بن نافع صنعانی (۱۲۶-۲۱۱ھ/۷۴۴-۸۲۶ء)۔ **تفسیر القرآن۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ۱۴۱۰ھ۔

۵۵۔ **ابن عجیبہ**، ابوالعباس احمد بن محمد بن مہدی حسنی (۱۱۶۰-۱۲۲۴ھ)۔ **البحر المدید في تفسیر القرآن العظیم۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء۔

۵۶۔ **علی الہجویری**، ابو الحسن علی بن عثمان بن ابی علی الجلابی الغزنوی (۴۰۰-۴۶۵ھ)۔ **کشف المحجوب۔** اسکندریہ، مصر: مکتبۃ الاسکندریہ، ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء۔

۵۷۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود

(۷۶۲-۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱-۱۴۵۱ء)۔ **عمدة القاري شرح صحيح البخاري۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۵۸۔ **قاسمی،** محمد جمال الدین بن محمد سعید بن قاسم بن صالح بن اسماعیل الدمشقی (۱۲۸۳-۱۳۳۲ھ/ ۱۸۶۶-۱۹۱۴ء)۔ **محاسن التأويل۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء۔

۵۹۔ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** (۱۱۴۳-۱۲۲۵ھ)۔ **تفسیر المظھری۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی + کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

۶۰۔ **قاضی عیاض،** ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض یحصبی (۴۷۶-۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳-۱۱۴۹ء)۔ **الشفا بتعريف حقوق المصطفیٰ ﷺ۔** بیروت، لبنان: دار الفیحاء + دمشق، شام: مکتبۃ الغزالی، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء۔

۶۱۔ **قرطبی،** ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اُموی (۲۸۴-۳۸۰ھ/ ۸۹۷-۹۹۰ء)۔ **الجامع لأحكام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار اِحیاء التراث العربی۔

۶۲۔ **ابن قیم،** ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱-۷۵۱ھ)۔ **بدائع الفوائد۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ نزار، مصطفیٰ الباز، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء۔

۶۳۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن ضوء بن زرع بصروی (۷۰۱-۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء + دار طیبہ للنشر والتوزیع۔

۶۴۔ **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن ضوء بن زرع بصروی(۷۰۱-۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ **تفسیر القرآن العظیم۔** لاہور، پاکستان: امجد اکیڈمی اردو بازار،

۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء۔

۶۵۔ **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (۱۱۸-۱۸۱ھ/ ۷۳۶-۷۹۸ء)۔ کتاب الزهد ويليه كتاب الرقائق۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۶۶۔ **مسلم**، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشیری النیشاپوری (۲۰۶-۲۶۱ھ/ ۸۲۱-۸۷۵ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۶۷۔ **مقدسی**، شیخ ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن عبد الرحمان حنبلی مقدسی (۵۶۷-۶۴۳ھ)۔ **الأحاديث المختارة**۔ مکۃ المکرّمۃ، مکتبۃ النہضۃ، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔

۶۸۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (۹۵۲-۱۰۳۱ھ/ ۱۵۴۵-۱۶۲۱ء)۔ **الفتح السماوي بتخريج أحاديث القاضي البيضاوي**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ۔

۶۹۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱-۶۵۶ھ/ ۱۱۸۵-۱۲۵۸ء)۔ **الترغيب والترهيب من الحديث الشريف**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ۔

۷۰۔ **ابو منصور الأزہری**، محمد بن احمد (۲۸۲-۳۷۰ھ)۔ **تهذيب اللغة**۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۱ء۔

۷۱۔ **ابن منظور**، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی المصری (۶۳۰-۷۱۱ھ/ ۱۲۳۲-۱۳۱۱ء)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

۷۲۔ **نسائی**، ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (۲۱۵-۳۰۳ھ/ ۸۳۰-۹۱۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء۔

۷۳۔ **نسفی**، عبداللہ بن محمود بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ)۔ **مدارک التنزيل وحقائق التأويل**۔

بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

۷۴۔ **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (۳۳۶-۴۳۰ھ/ ۹۴۸-۱۰۳۸ء)۔ **حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء۔

۷۵۔ **ہندی**، حسام الدین، علاء الدین علی متقی (م ۹۷۵ھ)۔ **کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۹/ ۱۹۷۹ء۔

۷۶۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵-۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵-۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء۔

۷۷۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵-۸۰۷ھ/ ۱۳۳۵-۱۴۰۵ء)۔ **موارد الظمآن اِلیٰ زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۷۸۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰-۳۰۷ھ/ ۸۲۵-۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔

یادداشتیں

یادداشتیں